مطبوعات جدیدہ

طریق تسمیہ، علم کیمیا کے اصطلاحات اردو مین کس اصول پر قائم کئے جائین، اس بحث پر جامعۂ عثمانیہ کی طرف سے چودہری **برکت علی** صاحب بی ایس سی کا ایک رسالہ شایع ہوا ہے، بے شائبۂ مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ چودہری صاحب کی تحقیق اور طرز ادائے مطالب اور نفس تجویز طریقۂ تسمیہ اسقدر اعلیٰ ہے کہ جامعۂ عثمانیہ کو اس کامیاب کوشش پر مبارکباد دینی چاہئے اور وہ عین اس توقع کے مطابق ہے جو ملک کو چودہری صاحب کی ذات سے ہے، ایسے خشک اور بے لطف مضمون کو اس فصیح، متین اور دلنشین عبارت مین ادا کیا ہے کہ ٹہوس علمی مسئلہ کا بار دماغ کو مطلقاً محسوس نہین ہوتا،

طریق تسمیہ کی نسبت چودہری صاحب کی تجاویز کا ماحصل یہ ہے کہ وہ اردو زبان کی اصطلاحات اور ہندوستان کے مزاج السنہ کے مطابق ہون جو اضافت، صفت اور دیگر صرفی و نحوی تغیرات مین بآسانی ہمارا ساتھ دیسکین، تیسرے یہ کہ اُنکے مخففات استعمال کئے جاسکین، یہ رسالہ غالباً معرض فروخت مین نہین آئیگا،

لآلی الحکم، عربی درسگاہون کے چھوٹے درجون کے لئے عموماً قصہ کہانیون کے منتخبات پڑہائے جاتے ہین، جو معنوی حیثیت سے کچھ مفید نہین، مولوی **عبدالرحمن** صاحب ندوی مدرس مدرسۃ الاصلاح سرائیمر نے اس ضرورت کے لئے احادیث نبویہ مین سے مختصر اخلاقی نصائح مختلف عنوانات کے تحت مین جمع کئے ہین، جنمین ادبیت کے ساتھ اخلاق و معاشرت کی تعلیم کا لحاظ بھی رکھا گیا ہے، یہ رسالہ اس لائق ہے کہ لوگ ابتدائی تعلیم ادب کے لئے اسکو اپنے نصاب مین داخل کرین، قیمت ۲/ ،

عدد ششم	ماہ جمادی الاولی ۱۳۳۷ھ مطابق فروری ۱۹۱۹ء	مجلد سوم

مضامین

برکلے اور اُسکا فلسفہ

از پروفیسر عبدالباری ندوی

برکلے جسکی معرکۃ الآرا تصنیف "مبادی علم انسانی" پہلے شایع ہوچکی ہے اسکے دلچسپ و پر معلومات سوانح زندگی، اسکی فلسفیانہ تصنیفات کی ناقدانہ تلخیص، اسکے فلسفہ تصوریت کی تشریح و تنقید، اور مسئلہ تصورات کلیہ پر ایک مجتہدانہ محاکمہ، کتاب کا مختصر نام صرف "برکلے" ہے، ضخامت ۱۳۰ صفحے، کاغذ سفید ولایتی لکھائی چھپائی اعلیٰ، قیمت ۱۲/

شذرات

اعظم گڈھ صوبہاے متحدہ کا ایک نہایت چھوٹا اور مفلس، ضلع ہے، (ازراہ عنایت اسکی دولتمندی کا اندازہ قرضۂ جنگ کی میزان سے نہ لگایئے) تاہم یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اسکے احاطہ مین عربی کے چار بڑے مدرسے ہین، مدرسۃ الاصلاح سرائمیر، دار العلوم مئو، مدرسۂ عالیہ مئو اور مدرسہ عربیہ اسلامیہ مبارکپور، چھوٹے چھوٹے مدارس اسکے علاوہ ہین، ان سب کی بنیاد مسلمانون کے عام چندون پر ہے، ہر ایک مین ابتدائی و انتہائی طلبہ ۵۰ اسے ۲۰۰ تک ہین، پہلے مدرسہ مین جدید نصاب و طریقۂ تعلیم کے مطابق تعلیم ہوتی ہے، اور بقیہ مین قدیم نصاب اور کسیقدر الہ آباد یونیورسٹی کے مشرقی امتحانات کے مطابق تعلیم دیجاتی ہے،
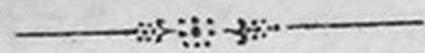
تعلقات گوناگون کے سبب سے سرائمیر جانے کا تو اکثر اتفاق ہوتا ہے، لیکن مئو کے مدرسون کا دیکھنے کا اس دفعہ پہلا موقع تھا، یہ دیکھکر خوشی ہے کہ علماے مدرسین اور عام عربی خوان طلبہ کے خیالات مین اب ہر جگہ بین انقلاب کے آثار نمایان ہین، اور وہ اب ملک اور ملت کے حقوق اور طریقۂ خدمت سے واقف ہوتے جاتے ہین، لفظی اور سطحی مباحث سے گذر کر اب حقیقی علوم کے طالب ہین، ہم تو اپنے آریہ دوستون سے خوش ہین کہ انکے جوش مخالفانہ نے قدیم عربی مدارس کے حجرہ نشینون مین بھی سرگرمی پیدا کردی، ع عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد،
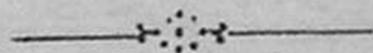
لڑکون کے عربی مدارس تو عموماً علماے کرام کے زیر اہتمام ہین، لیکن ابھی لڑکیون کی نظم تعلیم کی

طرف انکی توجہ ملتفت نہین ہوئی ہے، ملک مین جو زنانہ اسلامی مدارس اسوقت قائم ہین، وہ یا سرکاری اور مینوسپل ہین اور یا جدید تعلیم یافتہ اصحاب کے مساعی جمیلہ کے نتائج ہین، لیکن تمام ہندوستان کے طول و عرض مین ہمکو صرف ایک زنانہ مدرسہ ایسا ملا جو خالص علماے مقدسین کے زیر اہتمام و تعلیم قائم ہے، اور وہ مدرسۃ البنات مئو ہے، ہمین اس مدرسہ کو دیکھکر جو گو ابھی ابتدائی حالت مین ہے سخت حیرت ہوئی، یہان لڑکیون کو اردو، فارسی، حساب، خوشخطی، دینیات اور قرآن مجید کی تعلیم دیجاتی ہے، مئو کے علماے اہل حدیث کی اس سنت کی تقلید اگر ہندوستان کے دوسرے شہرون کے علماے اہل حدیث جائز سمجھین تو منازعات تقلید و عدم تقلید سے کسقدر بہتر ہے،
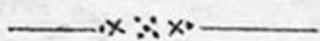
معارف جس طرح اور جس شان سے نکل رہا ہے، ہمارے اکثر کرمفرما تو اسپر قانع ہین اور اسکو وہ اس حیثیت مین بھی اردو رسائل کی صف مین پہلی کرسی دینے پر تیار ہین، لیکن ہمارے حلقۂ احباب مین ان سے بلند نظر اصحاب بھی ہین جو کہتے ہین،

ما باین قدر از تو راضی نیستیم اندر سخن　　　شبلیا! سحر است این، اعجاز می بایست کرد

اس جماعت کے سرگرم ممبر، ہماری مجلس کے رکن اعظم جناب مولوی عبد الماجد صاحب بی-اے ہین انکا خیال ہے کہ معارف اگر یورپ کے علمی رسالون کے لگ بھگ نہ نکل سکے تو کم سے کم ہندوستان کے انگریزی رسالون کے قریب قریب تو ہو، اسکی ضخامت ۱۰۰ صفحے ہو، مضامین مین دنیا کی موجودہ علمی رفتار کا ساتھ دیا جائے، اگر ملک کے دوسرے اخبارات و رسائل یہ بتاتے ہین کہ دنیا کی پالٹیکس کہان سے کہان جارہی ہے تو ہم یہ بتائین کہ علمی حیثیت سے دنیا ہر مہینہ کسقدر بدل رہی ہے اور بدلتی جاتی ہے،
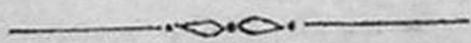
انھون نے ہمارے اکثر دوستون کی طرح صرف زبانی نصیحت و وصیت پر قناعت نہین کی بلکہ

ہماری عمارت کی کمزوری کے اصلی رخنون کو سمجھے اور اُسکے لئے اُنھون نے سرگرمی سے تعمیر وتاسیس کی کوشش شروع کردی ہے، یہ معلوم ہے کہ بغیر خاص مالی اعانتون کے یہ عظیم الشان کام سرانجام نہین پاسکتا، اردوخوان طبقہ شاید ابھی اس جنس گران کا خریدار بھی نہین ہوسکتا تاہم کسی طرح اسکو ادہر متوجہ کرنا

ملک مین اسوقت تک جتنے بڑے بڑے علمی اور قومی کام انجام پارہے ہین، وہ سب دردمند امراے ملت کے دست کرم کے سہارے چل رہے ہین، اگر یہ سہارا ہٹا لیا جائے تو دفعۃً نہ علی گڈہ کالج رہے، نہ کانفرنس نہ دارالعلوم رہے، نہ ندوہ، نہ حمایت اسلام رہے نہ دیوبند نہ انجمن ترقی اردو رہے نہ دارالمصنفین، ایسی حالت مین اگر اردو کے ایک بلندترین علمی رسالہ کا سوال اٹھایا جائے جسکی آمدنی یقیناً اُسکے مصارف کی کفیل نہین ہوسکتی تو گذشتہ علمی اور تعلیمی کاروانون کے نقش قدم پر چلے بغیر کامیابی ممکن نہین،

ہمکو خوشی اور مسرت ہے کہ اس تجویز کے اعلان عام سے پہلے ہم اس قابل ہوچکے ہین کہ چند دریادل اربابِ فیض کے دست کرم کا شکریہ ادا کرین، خصوصاً یادگار نسل پاستان نواب سالار جنگ بہادر سابق وزیراعظم دولت آصفیہ حیدرآباد دکن، مہاراجہ یمین السلطنت سرکشن پرشاد سابق مدارالمہام دولت آصفیہ حیدرآباد دکن، اور خاتمۃ الکرام راجہ سر محمد علی محمد خان والی محمودآباد، اب بھوپال اور رامپور کی طرف ہماری نگاہین اُٹھی ہین،

بینیم این کہ خواستہ کردگار چیست

اسوقت تک ...۵ روپیے انگلینڈ امریکہ اور ہندوستان کے انگریزی ماہوار علمی رسائل کی خریداری مین صرف ہوچکے ہین،

مقالات

نظربندانِ اسلام

بتقریب رہائی سیدالاحرار سید فضل الحسن حسرت موہانی

تاچند بزنجیر خرد بند توان بود

سرمستی وآشوب جنون چند توان بود

(۲)

صفحۂ کاغذ آج پھر اُن تصویرون کا مرقع ہے، جنکے خط وخال عیش ونعمت کے رنگ وروغن سے نہین بلکہ آوارہ وطنی اور قید وحبس کے سواد المصائب سے بنائے گئے ہین، بخارا کا یتیم فرزند ایک مدت کے بعد امام بخاری بنکر وطن لوٹا تو تمام شہر نے اس جوش سے خیر مقدم کیا کہ دولت طاہریہ[ل] کے ارکان متزلزل ہوگئے، دور دور سے طلبہ اور علم کے سائل قطار در قطار چلے آتے تھے، حلقۂ درس کی نشست مین امیر وغریب اور ادنی واعلی کا فرق مراتب نہ تھا، امیر بخارا نے خواہش کی کہ امام موصوف ایوان امارت مین آکر اپنی تصنیفات کی سند عطا فرمائین، امام نے فرمایا مین بیشک گدائے بے نوا ہون لیکن جس علم کا خدمتگذار ہون اسکو ذلیل نہین کرسکتا، امیر کو اگر شوق علم ہو تو خود میری مسجد یا غربتکدہ مین آسکتے ہین، امیر نے کہلا بھیجا مین آسکتا ہون لیکن اسوقت عام لوگ حلقۂ درس مین نہون، امام نے فرمایا "اس بوریانشین کے ہان شاہ وگدا کی کوئی تمیز نہین" امیر نے پیام بھیجا کہ اگر یہ منظور نہین تو میری حکومت کے دائرے سے نکل جاؤ، امام نے اسی وقت صبر وشکر کے ساتھ بستر لپیٹا، اور رختِ تنگ نام

ل خراسان اس زمانہ مین خاندان طاہریہ کے زیر حکومت تھا،

ایک قریہ مین چلے گئے،

افسوس کہ یہ قریہ بھی امن کا گھر نہین رہا، دل شکستگی کے عالم مین گھر سے نکلے تھے، خستہ تنگ ہو کر سخت علیل ہو گئے، ابھی بستر علالت پر تھے کہ امیر بخارا کا فرمان یہان سے بھی نکل جانیکے لئے صادر ہوا، اسی حالت مین دو آدمیون نے سہارا دیکر بستر سے اُٹھایا، اور سواری پر بٹھانا چاہا، امام نے فرمایا ضعف سے اب قدم اُٹھانا مشکل ہے، مجھے لٹا دو، لوگون نے لٹا دیا مگر وہ ایسے لیٹے کہ پھر نہ اُٹھے، عبرت نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا کہ آہ! جسکی یاد سے آج کروڑون مسلمانون کے قلوب معمور ہین اور قیامت تک رہین گے، تیرے سایہ مین اسکو کہین قدم دہرنے کی جگہ بھی نہ مل سکی،

سلجوقیون کی حکومت کا وہ زمانہ شاید لوگون کو یاد ہو جب امام الاشاعرہ ابو الحسن الاشعری کو برسر منبر گالیان دیجاتی تہین، سلطان طغرل سلجوقی اسوقت بلاد روم سے لیکر چین کی سرحد تک تنہا فرمانروا تہا، ابو نصر کندری وزیر تہا، جسکے ہاتھ مین تمام ملک کے نظم و نسق کی باگ تھی، مذہباً یہ بدعقیدہ شخص تہا، لیکن اپنے کو حنفی کہتا تہا، استاذ ابن الموفق اس زمانہ کے ایک صاحب علم امیر تھے مذہباً وہ شافعی اور اشعری تھے، لوگون مین انکو نہایت ہر دلعزیزی حاصل تھی، ابو نصر کو خیال تہا کہ اگر وزارت کے منصب مین کوئی میرا حریف ہو سکتا ہے تو وہ یہی ابن الموفق ہے، سلطان طغرل فقہ حنفی کا پیرو تہا، وزیر نے اس سے اجازت لیکر یہ فرمان جاری کیا کہ آیندہ خطبون مین بدعتیون پر لعنت کیجائے اس حیلہ سے علی الاعلان شوافع اور اشاعرہ پر لعنت پڑہی جانے لگی، دفعۃً مملکت سلجوقی مین اس سرے اس سرے تک آگ سی لگ گئی، بڑے بڑے علماء، ائمہ، قضاۃ اپنے اپنے گھرون سے نکل آئے، سیکڑون علماے اشاعرہ نے اپنے وطنون کو خیر باد کہا اور حجاز کا رخ کیا، کہتے ہین کہ اس سال یعنی ۴۵۵ھ مین اسقدر ارباب عمائم میدان عرفات مین جمع ہو گئے تھے کہ گنے گئے تو ۰۰۰ صرف قاضیون کی تعداد نکلی، بڑے بڑے علما جنکو امامت کا درجہ حاصل تہا، اپنے عہدون سے معزول ہو کر شہر بدر ہوئے،

یا قید ہو گئے، خاص فرمان سلطانی صادر ہوا کہ استاذ فراتی، استاذ ابن الموفق، امام الحرمین ابو المعالی (امام غزالی کے استاذ) امام ابو القاسم قشیری (شیخ الصوفیہ) قید کئے جائین یا جلا وطن ہو جائین اور آیندہ اُنہین مجمعون مین آنیکی اجازت نہو، امام الحرمین اور امام بیہقی اس ذلت کو گوارا نہ کر سکے، منصب اور وطن کو خیر باد کہا، اور سلجوقیون کی وسیع حکومت کے احاطہ سے باہر نکل گئے،

امام قشیری اور استاذ فراتی کو سر بازار گھسیٹا گیا، اور قہندز کے محبس مین قید کر دیا گیا، ایک مہینہ اس قید مین بسر کیا، استاذ ابن الموفق نے حکومت کو اعلان دیا کہ ان بزرگون کو قید و بند سے آزاد کیا جائے ورنہ بزور قیدخانہ سے اُنکو نکالا جائیگا، حکام نے اس اعلان کی پروا نہ کی، بلکہ خود استاذ کو گرفتاری کی دہمکی دی، استاذ نے اپنے رفقا کا ایک دستہ تیار کیا، اور رات کو شہر کے پہاٹک مین گھس گئے، کوچہ و بازار مین سرکاری سپاہیون اور استاذ کے ہمراہیون مین لڑائی ہوئی، سپاہیون نے شکست کھائی، قیدخانہ توڑ کر قیدی نکالے گئے، سلطان کو خبر ہوئی تو استاذ ابن الموفق کو انکی اس جرأت پر سزا دی وہ پابزنجیر دربار مین حاضر کئے گئے، انکی تمام دولت و جائداد ضبط ہو گئی اور وہ خود ایک قلعۂ سلطانی مین قید کر دئے گئے،

امام بیہقی نے عبد الملک کو اور امام قشیری نے تمام دنیاے اسلام کے نام ایک فریاد نامہ لکھا، آخر چار برس کے بعد زمانہ نے پلٹا کہایا، طغرل کی جگہ الپ ارسلان نے تخت حکومت پر قدم رکھا، ان فتنون کا بانی ابو نصر کندری کیفر کردار کو پہنچا، اور نظام الملک نے قلمدان وزارت اپنے ہاتھ مین لیا، سمندر پھر اپنے رخ پر بہنے لگا، اور آفتاب پھر اپنے افق سے طلوع ہوا،

اُمیہ بن عبد العزیز اندلس کے ایک عالم تھے، معقول اور منقول دونون مملکتون مین انکی زبان و قلم کا سکہ چلتا تہا، ۴۸۹ھ مین وہ اندلس سے اسکندریہ آئے، افضل شاہنشاہ مصر کا فرمانروا تہا، اُس نے کسی سبب سے انکو قید کر دیا، برسون اسی قید کے عالم مین گذارے، لیکن علم و فن کے کارزار کا

فاتح اس تنہائی مین بھی اپنے مفتوحات کی توسیع مین کوشان رہا، ہیئت مین علی بالاصطرلاب اور کتاب الوجیز، طب مین کتاب الادویۃ المفردہ، منطق مین تقویم الذہن، فلسفہ مین کتاب الانتصار اسی قیدخانہ کی تنگ کوٹھری مین بیٹھکر تصنیف کی، ۵۰۵ھ مین شاہنشاہ نے مصر سے جلاوطن کردیا تو وہ مراکش کی طرف چلے گئے، آخر کہین اسی طرف ۵۲۹ھ مین اس عالم سے چل بسے[1]

علامۂ ابن حزم ظاہری بھی اسی سرزمین کی خاک سے اُٹھے تھے، جہان چھ سو برس تک اسلام کی بہارِ غیرتِ ارم بنی تھی، یعنی ارض اندلس، علامۂ ممدوح ان اشخاص مین ہین جنکے فضل و کمال پر صرف سلمانون کو نہین بلکہ دنیا کو ناز ہوسکتا ہے، وہ ایک مدت تک وزارت اور تدبیر و سیاست کے فرائض خاندانی انجام دیتے رہے، لیکن دفعۃً اس منصب کو اپنے رتبہ سے فروتر سمجھکر کنارہ کش ہوگئے، اور علم کے دربار کی خدمتگذاری مین اپنی بقیہ عمر صرف کی اور ۴۰۰ تصنیفات اپنے بعد یادگار چھوڑین،

علامہ کی تیغ زبانی اور بیباک بیانی نقوش اوراق بنکر گو آج بھی ہمارے سامنے ہے، لیکن اس عہد کو آئینۂ خیال کے سامنے لاؤ جب وہ جمہور اعظم سے نڈر ہوکر برملا اپنے خیالات جنکو وہ سچ سمجھتے تھے آشکارا کررہے تھے، فقہا نے انکی دارو گیر مین کمی نہ کی، ممانعت تھی کہ لوگ انکے پاس بیٹھنے نپائین، سلاطین نے انکو اپنے حدود سلطنت مین رکھنا گوارا نہ کیا، انکی بعض تصنیفات نذر آتش کی گئین، خود مصنف تمام عمر دربدر کی خاک چھانتا رہا، بڑے بڑے دارالحکومتون کو چھوڑکر صحرانشینی اور بادیہ گردی اختیار کی، حق کے طالب اس بادیہ اور صحرا مین بھی ذرون کی طرح اُنکے دامن سے لپٹے رہے، علامہ اس بے خانمانی مین بھی حق کی وہی گونج اور وہی کڑک اپنی زبان و قلم مین رکھتے تھے،[2]

قرطبہ مولد تھا، لیکن ۴۵۶ھ مین ایک گاؤن مین وفات پائی،

[1] ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۰۱ [2] تذکرۂ ذہبی،

شیخ الاسلام عبداللہ بن محمد انصاری، ہرات وطن تھا، ذہبی نے لکھا ہے "حقگوئی مین تیغ برہنہ مناظرہ مین ہمیشہ شاب، اور اتباع سنت مین اپنی جگہ پر پہاڑ تھے، ایک قدم ہٹ نہین سکتے تھے" کئی دفعہ اپنی حق بیانی کی بدولت امتحانگاہ مین آے اور ہر دفعہ اپنی مضبوطی اور استقلال سے کامیاب نکلے، پانچ دفعہ انکی آنکھون کے سامنے زنجیر نہین بلکہ ننگی تلوارین رکھی گئین کہ اپنی راے کے اظہار سے باز آؤ، لیکن ہر دفعہ اس جوان دل پیر مرد نے یہی جواب دیا کہ "خاموشی میرے مذہب مین گناہ ہے" آخر ایک فتنہ مین انکو لوگون نے شہر سے اس طرح نکالا کہ جمعہ کا دن، نماز کا وقت تھا، اتنا بھی کوئی روادار نہوا کہ وہ ایک وقت کی نماز شہر کے جامع مسجد مین پڑھ لین، وہ ہرات سے نکل کر قریہ پوشنگ مین گئے، سلطان الپ ارسلان نے فرمان صادر کیا کہ وہ ماوراء النہر کے علاقہ مین نکالدیے جائین، چنانچہ مع اہل وعیال مرو پہنچے، یہان بھی اقامت کی اجازت نہ ملی، اور بلخ بھیجدیے گئے، وہان سے مرو الرود کو جلاوطن کیے گئے،

شیخ الاسلام نے ان مصائب اور تکالیف کو جس استقلال اور عزم صحیح کے ساتھ برداشت کیا تمام اعیان اسلام نے اسکو شکرگذاری کے ساتھ دیکھا، آفتاب زیادہ دیر تک بادلون کے پردہ مین چھپا نہین رہ سکتا، سوا دو برس کے بعد ۴۸۰ھ مین انکو وطن آنیکی اجازت ملی تو تمام ملک جوشِ مسرت سے چھلک اُٹھا، معتقدون نے انکی سواری کے جانور کھول دیئے، مرو سے ہرات تک باری باری سے اپنے دوش دبازو پر لوگ انکو سوار کرکے لائے،[1]

امام ابوجعفر عبدالخالق عباسی فضل وکمال کے ساتھ جرأت اور حقگوئی کی مجسم مثال تھے، بغداد اسوقت فساد و تمدن کا مرکز تھا، امام ابوجعفر اور علامۂ ابواسحاق شیرازی نے جامع مسجد مین تمام مسلمانون کا عظیم الشان اجتماع کیا، اور سلطنت سے حسب ذیل امور کی بزور تعمیل کی درخواست کی،

[1] طبقات الحنابلہ ابن رجب،

شرابخانے اور دارالفواحش بند کئے جائین، بدمعاش اور بداخلاق لوگ شہر بدر ہون، شراب کی بھٹیان توڑ دالی جائین، ایسے سکے ڈہالے جائین جنمین بٹہ نہ لگے، خلیفہ نے ان تجاویز کو قبول کرلیا، لیکن عملاً انکا اجرا سلجوقی سلطان کے ہاتھ مین تہا،

اسکے بعد حنابلہ اور شوافع مین ایک ہنگامہ برپا ہوا، امام ابوجعفر نے پامردی سے اس میدان کو سر کیا، آخر بلطائف الحیل وہ قصر خلافت مین بلائے گئے، اور ایک حجرہ انکی اقامت کے لئے مقرر ہوا، پہلے ملنے والون کو آنے جانے کی اجازت تھی، اسکے بعد یہ حکم ہوا کہ صرف منتخب اشخاص آنے پائین، امام نے کہا اگر یہ حکم ہے تو آج سے مین خود کسی سے نہ ملونگا، پھر انکی حثیت ایک قیدی کی ہوگئی، بحالت قید مین انھون نے کہانا چھوڑ دیا، اور متصل روزہ رکہنا شروع کیا، موت نے جواب دیا، عام مسلمانون کو یہ خبر معلوم ہوئی تو انھون نے شورش کی، حکام نے گھبرا کر رہا کیا، لیکن اسی وقت روح بھی قید تن سے رہا ہوگئی،[1]

کیا یہ پزیسو ریسسٹنس (مقاومت متحملانہ) تہا!،

یہ تو مقاومت متحملانہ کی ارادی صورت تھی، لیکن ذیل کا واقعہ اس سے بھی زیادہ المناک ہے، شریف مرتضیٰ ابوالمعالی حسینی سمرقند کے باشندہ تھے، خدا نے علم و عمل کے ساتھ دولت و نعمت سے بھی سرافراز کیا تہا، امیر ترکستان نے ایک دفعہ انکو پیام بھیجا کہ اپنے باغ مین وہ اسکی دعوت کا سامان کرین اور وہ خود اس جشن مین شریک ہون، شریف نے کہلا بھیجا یہ ناممکن ہے کہ میرے باغ مین جہان قال اللہ وقال الرسول کے ترانے بلند ہون، امیر کے لئے وہان رقص و سرود کی محفل برپا کیجائے، امیر یہ جواب سن کر چراغ پا ہوگیا، اور دہوکے سے انکو گرفتار کرلیا، قیدخانہ مین یہ احتیاط کیگئی کہ قوت انسانی کا کوئی سرمایہ انکے پاس نہ پہنچنے پائے، اسی حالت گرسنگی مین روح نے تن کو الوداع کہا، اور صداقت و

[1] طبقات الحنابلہ ابن رجب،

راستی کا فرشتہ ہماری زمین سے آسمان پر چلا گیا،[1]

امام الائمہ حافظ ابن جوزی جنکے فضل و کمال کی شہرت ہماری علمی محفلون کی دلکش داستان ہے اور جنکی تصنیفات کا انبار ایک مستقل کتبخانہ ہے، ایک طرف تو انکی مقبولیت یہ تھی کہ ایوان خلافت مین انکے لئے منبر بچہایا جاتا ہے، دوسری طرف بعض امرا کے اشارہ سے انکو برھنہ تن قید و زنجیر مین گرفتار ایک کشتی مین بٹھا کر بغداد سے واسط بھیجا جاتا ہے،[1]

شیخ الاسلام عبدالغنی مصر کے امام تھے، بڑے بڑے سلاطین کے دربارون مین وہ اپنی راستگوئی اور قول حق سے زلزلہ پیدا کر دیتے تھے، ایک دن بازار مین جارہے تھے، ایک شخص کو دیکہا کہ اسکے ایک ہاتھ مین تلوار اور دوسرے مین شراب کا مشکیزہ ہے، امام نے دوڑکر مشکیزہ اسکے ہاتھ سے چہین لیا، اس نے تلوار نیام سے کہینچ لی، لیکن انھون نے پروا نہ کی، اور شراب زمین پر گرادی، فتوی دیا کہ گانا بجانا ناجائز ہے، قاضی نے پیادہ بھیجا، تمہارے فتوی سے سلطان کی بزم عشرت سرد ہوگئی، تم آکر اس باب مین مجھسے مناظرہ کرجاؤ، جواب دیا کہ خدا تمہاری اور تمہارے بادشاہ دونون کی گردنین مارے، مجھے مناظرہ کی ضرورت نہین، خدا اور اسکے رسول کا حکم سامنے ہے،

موصل مین اس بنا پر انکو قید کیا گیا کہ انھون نے حدیث کے ایک راوی کو ضعیف کہا تہا، دوسری جگہ انکو اسلئے روپوش ہوکر صرف ایک تہبند باندھ کر جلاوطن ہونا پڑا کہ ایک قدیم مصنف کی ۹۰ غلطیان انھون نے ظاہر کی تہین، دمشق مین فتنہ گرون نے انکو جامع مسجد جانے سے روک دیا، مصر مین ملک الکامل نے انکو جلاوطن کرنا چاہا، پھر ایوان شاہی مین قید کردیا، ایک امیر کی سفارش پر رہا ہوے، غرض تمام عمر اسی بے اطمنانی مین گذری، تاہم جو فرض تہا وہ کبھی متروک نہوا،[1]

امام الاحرار علامہ ابن تیمیہ حرانی، جنکی کہنا چاہیے کہ عمر ہی قلعون اور قیدخانون مین بسر ہوئی

[1] تذکرہ ذہبی.

۷۰۵ھ مین جب وہ پہلی دفعہ مصر مین قید ہوئے، علماء نے متفقہ فیصلہ کیا کہ اگر وہ یہ شرائط منظور کرلین اوران خیالات سے باز آجائین تو انکو آزاد کردیا جائے، علامہ نے قید گوارا کیا، لیکن اپنے خیالات سے آزادی گوارا نہ کی، قیدیون کو کھانا کپڑا سلطنت کی طرف سے ملتا تھا، لیکن علامہ نے عطیہ سلطانی سے بالکل انکار کیا، اور فقر و فاقہ سے بسر کی،

تاتاری سیلاب نے جب ممالک اسلام کو زیروزبر کرنا شروع کیا، اسکی لہرین سواحل شام تک بھی پہنچین، علامہ شاہ مصر کے دربار مین پہنچے، اور نہایت دلیری اور بیباکی سے اسکو غیرت دلائی اور کہا اگر تم اسلام کا فرض ادا نہ کروگے تو خدا کسی دوسری قوم کو بھیجکر اپنا فرض ادا کریگا، تمام دربار علامہ کی اس جرأت کو دیکھکر انگشت بدندان رہ گیا،

علامہ، مصر، قاہرہ اور اسکندریہ مین ایک ایک دفعہ اور دمشق مین دو دفعہ قید ہوئے، اور ہر دفعہ اپنے خیال پر اس مضبوطی سے قائم رہے کہ ہلکے شرائط پر بھی وہ اپنے مخالفون سے صلح پر آمادہ نہین ہوئے، ۷۱۸ھ مین حلف طلاق کے مسئلہ مین جمہور علما سے اختلاف کیا، اسپر ہنگامہ برپا ہوگیا، سلطنت سے فرمان جاری ہوا کہ وہ فتوی نہ دینے پائین، شہر مین اسکی عام منادی کرائی گئی، لیکن علامہ نے کہا حق کا چھپانا جائز نہین، چنانچہ بدستور فتوی دیتے رہے، بالآخر سلطان کے حکم سے وہ قید کئے گئے، اور پانچ مہینے کے بعد رہا ہوئے،

۲۰ برس پہلے علامہ نے فتوی دیا تھا کہ زیارت کے ارادہ سے مدینہ منورہ کا سفر کرنا شرعاً حرام ہے، یہ فتنۂ خوابیدہ اب بیدار ہوا، اور علامہ پھر قیدخانہ مین تھے، علامہ کے بھائی شرف الدین پر کوئی جرم نہ تھا، لیکن غیرت نے گوارا نہ کیا کہ بھائی کو تنہا چھوڑدین، اپنی خوشی سے قیدخانہ مین گئے، قیدخانہ ہی مین انتقال کیا، جنازہ کی نماز قیدخانہ سے باہر پڑھی گئی، زندہ بھائی کو اپنے بھائی کی میت پر آنیکی اجازت نہ ملی، قیدخانہ ہی مین علامہ نے نماز جنازہ ادا کی، یہ ایسا دردناک منظر تھا کہ

لوگ تاب نہ لاسکے اور رو پڑے،

قیدخانہ مین زیادہ تر اوقات تالیف وتصنیف، قرآن مجید کے حل نکات، مختلف مسائل کی تحقیقات اور اطراف ملک سے جو فتوی آتے تھے اُنکے جواب مین بسر کی، یہ دیکھکر حکم صادر ہوا کہ دوات وقلم بھی چھین لیا جائے، دست وقلم بیکار ہوگئے تو زبان ودل نے اپنا کام شروع کیا، شب وروز تسبیح وتہلیل اور عبادت وریاضت مین بسر کرنے لگے، آخر اسی عالم مین جان دی، انکے مرنے کی خبر جب ملک مین پھیلی تو مصر و شام سے چین تک مسلمانون نے اُنکے جنازہ کی نماز غائبانہ پڑھی،

حافظ ابن القیم علامہ کے ممتاز اور مایۂ ناز تلامذہ مین ہین یہ اپنے استاد کے نام پر جان دیتے تھے، اُنکے مجتہدات سے بہت کم انحراف کرتے تھے، اُنکی تصنیفات اب بھی علم وفن کا بڑا ذخیرہ ہین معقول ومنقول دونون مین یگانہ تھے، علامہ ابن تیمیہ کی تصنیفات کی اشاعت زیادہ تر انہین کی زبان وقلم سے ہوئی، بارہ برس یہ علامہ کی صحبت مین رہے تھے، علامہ کے ساتھ قید مین بھی کچھ عمر گذاری، شام مین حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی قبر مشہور ہے، جو اب تک زیارتگاہ عوام ہے، حافظ ابن القیم نے بربناے حدیث خاص اس قبر کی زیارت کے لئے سفر کرکے جانا شرعاً حرام بتایا تھا، اس مسئلہ نے عوام مین برافروختگی پیدا کردی، اونٹ پر چڑھا کر شہر کے کوچہ و بازار مین انکی تشہیر کیگئی، اور آخر فضل وکمال کے کنعان کا یوسف مصر کے زندان مین ایک مدت تک قید رہا، (درر کامنہ)

مین پچھلے سلسلۂ واقعات مین ایک بزرگ کا نام چھوڑ آیا ہون، شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسی یہ فقہ حنفی کے معلم ثانی ہین، امام نے ایک کلمۂ صدق کے معاوضہ مین اوزگند (ترکستان) مین قید زنجیر گوارا کی، اسی قیدخانہ مین بیٹھکر امام نے مبسوط کی ۱۵ جلدین تصنیف کین، ہر جلد کے اخیر مین مصنف نے اپنے حال زار کا مرثیہ لکھا ہے، ہندوستان والون کو امام الہند شیخ احمد سرہندی کا نام معلوم ہوگا جنھون نے جہانگیر کے دربار مین سجدۂ تعظیمی بجالانے سے انکار کیا اور اسکے لئے قید سخت کی زندگی گوارا کی،

معرفت

مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ،

جس نے اپنے نفس کو پہچانا اُس نے اپنے رب کو پہچانا

از جناب ڈاکٹر صادق علی صاحب کپورتھلہ

یہ حدیث کئی بزرگون نے تصوف کی کتابون مین نقل کی ہے، اور بعض نے اسکے صریح معنی نہین لئے، بلکہ تاویل کی ہے، شاید انکو اپنے زمانہ کے خیالات وحالات کی وجہ سے یا کسی اور سبب [illegible] تاویل کی ضرورت محسوس ہوئی ہو، لیکن اسکے ظاہری معنی درحقیقت بہت بڑی صداقت کی تعلیم دیتے ہین، یعنی یہ کہ انسان کے لئے اپنے نفس کی معرفت اپنے رب کی معرفت کا ذریعہ ہے جو لوگ موجودات عالم مین غور وتامل کیا کرتے ہین، انکے لئے معرفت الٰہی کا یہ طریق سب سے زیادہ سیدھا اور سہل [illegible] اسلئے سطور ذیل مین اس مسئلہ کی بحث پیش کیجاتی ہے،

اصل مین علم اور معرفت کے ایک ہی معنی ہین، اسلئے پہلے جب تک علم کی تعریف نہ کردیجا[illegible] عنوان کی حدیث کے معنی بخوبی واضح نہین ہوسکتے، انسان کے علم حاصل کرنیکا ذریعہ اسکی ظاہری و[illegible] باطنی حواس ہین، حکماء نے ان حواس کی تقسیم مختلف طریقون سے کی ہے، لیکن بیان مسئلہ زیر بحث کے واضح کرنیکے لئے مختصر طور پر انکا بیان کافی ہوگا،

پانچ حواس تو ظاہری ہین، باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ، لامسہ، جو تصویرین روشنی کے ذریعہ سے بن سکتی ہین، وہ قوت باصرہ سے محسوس ہوتی ہین، جو صورت کسی مادی شے کے اجزا مین تموج ہوکر پیدا ہوتی ہے وہ قوت سامعہ سے محسوس ہوتی ہے، اگرچہ ہوا کے اجزا کا تموج عام طور پر اس حس کی خدمت کرتا ہے، لیکن پانی، لکڑی، دھات وغیرہ کے اجزا کا تموج بھی آواز کی صورت مین

محسوس ہوا کرتا ہے، جو اجسام ایسے ہین کہ اُنکے اجزا لطیف بخاری یا ہوائی صورت مین اُٹھکر منتشر ہوتے رہتے ہین، جب وہ ناک مین داخل ہوتے ہین تو حس شامہ کے ذریعہ سے انکی ہر طرح کی بُو کا احساس ہوتا ہے، جو چیز منھ کی رطوبت مین حل ہوکر زبان کے عصبی ریشون پر اثر کرتی ہے، اس سے ذائقہ کا حس پیدا ہوتا ہے، حسِ لامسہ کے اعصاب تمام جسم مین پھیلے ہوئے ہین، اُنسے سردی گرمی، خشونت، ملاحت وغیرہ کے احساس ہوتے رہتے ہین،

ان پانچ کے سوا ایک اور حس ہے اُسکو بھی ظاہری حواس کے ساتھ شمار کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، وہ "حسِ عضلاتی" ہے، اسکے ذریعہ سے وزن اور مزاحمت کا احساس ہوتا ہے،

ان چھہ حسون کے سوا ایک اور حس ہے جو تمام اجزاے بدن مین موجود ہے، اسکی کوئی خاص صورت بیان نہین کیجاسکتی ہے، لیکن اسکا احساس بے انتہا صورتون مین ہوتا رہتا ہے اس لئے اسکو "حس عام" کہنا چاہیئے، جسم کے کسی حصہ مین کوئی غیر طبعی حالت کسی وجہ سے پیدا ہو تو کسی قسم کا حس پیدا ہوجاتا ہے، جو انسان کو غیر طبعی حالت کے وقوع سے متنبہ کرتا ہے، مثلاً درد، خارش، غثیان، بیچش، گھبراہٹ وغیرہ بیشمار صورتین اس حس کی ہین، درمعمولی حالات بھی محسوس ہوتے رہتے ہین جیسے بھوک، پیاس، تکان وغیرہ - اور ہر ایک ضرورت کے پوری ہوجانے سے جو ایک اطمنان اور تسلی کا احساس ہوتا ہے، وہ بھی ایک طرح کا حس ہے لیکن ایسے احساسات کے لئے کوئی خاص قسم کے اعصاب معلوم نہین ہین، اور اُنکی صورتین غیر مقرر اور بیشمار ہین اس لئے کوئی حکیم انکی تقسیم اور تعریف کے درپے نہین ہوا، ایک عام لفظ وجدان کا ان پر اطلاق کردیا جاتا ہے،

حواس باطنی کی تقسیم مین حکماے متقدمین اور متاخرین کے درمیان اختلاف ہے، اُن کا دماغ کے خاص خاص حصون کے ساتھ مخصوص کرنا بالکل بے دلیل ہے، البتہ ان حواس کا علم ہر ایک انسان کو ہے جو معمولی حالات مین ضروری طور پر فعل کرتے رہتے ہین، ان مین سے

ایک "حس مشترک" ہے، جسمین ساری صور حسیہ کا جو کسی حس کے راستہ سے آیئن ادراک ہوتا ہے دوسری "قوت متخیلہ" ہے، جسمین محسوسات سابقہ کی صورتون کا محسوسات موجودہ کی صورتون کے ساتھ مقابلہ ہوکر انکی جماعت بندی اور تقسیم ہوجاتی ہے، مثلاً ایک شخص جب گلاب کا پھول دیکھتا ہے اور اسکی صورت قوت متخیلہ مین جاتی ہے تو پہلے پھولون کی صورتین جو ذہن مین موجود ہین اُنسے مقابلہ ہوکر گیندے اور چنبیلی کے پھولون سے متمیز اور گلاب کے پھول کی صورت کے ساتھ متحد ہوکر حافظہ مین داخل ہوجاتی ہے، ایک "قوت واہمہ" ہے، اسکا یہ کام ہے کہ قوت متخیلہ مین جو صورتین حاضر ہون یا حاضر کرکے ان مین کمی بیشی تغیر تبدل کرکے نئی صورتین بنالیتی ہے، یہ قوت فنون شاعری، مصوری، اور ہر طرح کی ایجاد مین مدد دیتی ہے، ایک "قوت متفکرہ" ہے، جو مقدمات معلومہ کو حاضر کرکے انکا مقابلہ کرتی ہے، اور اس مقابلہ سے نتائج نکالتی ہے،

درحقیقت "قوت حافظہ" کو حواس باطنی مین شمار کرنا نہین چاہیے کیونکہ جو صور ذہنی قوۃ حافظہ مین جمع رہتی ہین اُنکا حس نہین ہوا کرتا، جسوقت وہ متخیلہ مین نفس کے سامنے حاضر ہون تب اُنکا حس ہوتا ہے، ایک "قوت انتخابی" ہے جو فکر کے نتائج مین سے کسی نتیجہ کو عمل کے لئے اختیار کرلیتی ہے اور پھر "قوت نفوذی" ہے جو انتخاب کئے ہوئے نتیجہ کو عمل مین لانے کے لئے افعال اختیاری کے اعضا کو خدمت کرنے پر لگا دیتی ہے[1]،

ان محسوسات اور مدرکات کے ذریعہ سے جو حالات نفس پر وارد ہوتے ہین، انکو حالات ذہنی کہتے ہین، ان حالات ذہنی سے وجدانیات اخلاقی پیدا ہوتے ہین، جیسے محبت، عداوت، غم، غصہ، خجالت، نفرت، حقارت، حرص، وغیرہ ہین، اصل مین انسان کے اعمال کے اصول یہ وجدانیات ہین، یہی حالات، انسان کو عمل کرنے پر برانگیختہ کرتے ہین، محض علم کسی شے کا انسان کو عمل کیلئے

[1] حواس باطنی کے بیان مین پوری پوری حکماء قدیم کی اور نہ متاخرین کی پیروی کیگئی ہے، ایک مختصر اور زود فہم طریق ضرورت کے موافق اختیار کیا گیا ہے

طیار نہین کرتا، مثلاً جب کسی مرغوب شے کا ادراک ہو تو وجدانِ رغبت اسکے حاصل کرنے کے لئے اعضاے جسم کو حرکت مین لائیگا، اسی طرح خوفناک شے کا ادراک اس شے سے بچنے کے لئے عمل کی تحریک کریگا، غرض ان دونون صورتون مین عمل کے موجب رغبت اور خوف ہوتے ہین، اور کسی شے کا محض ادراک اور علم عمل کا موجب نہین ہوتا،

جب حواس مذکورہ کے ذریعہ سے کوئی صورتِ حسّی ذہن مین پہنچتی ہے تو فطری اور طبعی طور پر اس شے کے خارج مین موجود ہونے کا یقین ہوتا ہے، اور یہ صورت حسی اس کی صفت اور وہ شے خارجی موصوف سمجھی جاتی ہے، جب ایک شے کی کچھ صفتین معلوم ہوتی ہین تو کہتے ہین کہ اس شے کا علم ہوگیا، اس شے کو پہچان لیا، کیونکہ ہر ایک شے کی صفتون کا مجموعہ اس شے کی ماہیت کو پیدا کرتا ہے، جسکے ذریعہ سے انسان اس شے کو جانتا اور پہچانتا ہے، اور جسقدر ایک شے کی صفات کا علم زیادہ ہوجاتا ہے اُسیقدر اس شے کی ماہیت کا علم بڑہتا جاتا ہے، اور اسیقدر انسان اس شے معلوم سے فائدہ حاصل کرنے کی زیادہ قدرت پاتا ہے،

اسی طرح سے کسی شے کی صفات معلوم ہونے سے انسان کو دو طرح کا علم حاصل ہوتا ہے، ایک علم شہودی اور دوسرا علم ایمانی، مثلاً جب مین ایک درخت کی صورت کا احساس کرتا ہون تو حواس کے ذریعہ سے اس درخت کی شکل، قد، رنگ، بو، نرمی و سختی اور ذائقہ وغیرہ کا احساس کرتا ہون، اور یقین کرتا ہون کہ یہ سب صفتین اُس درخت کی ہین جو خارج مین یعنی میرے ذہن کے باہر عالم مین موجود ہے، ان صفات کا "علم شہودی" ہے، اور اس درخت کا "علم ایمانی" ہے، کیونکہ انسان صفات کو براہ راست محسوس کرتا ہے، اور ساتھ ہی فطری طور پر یقین کرتا ہے کہ یہ صفات اس شے کی ہین، جس نے میرے ذہن مین ان خاص صورتون مین اثر کیا ہے، اور اس شے کی ذات کا علم محض ان صفات کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہے، چونکہ درخت کی ذات صفات سے علٰحدہ ہوکر ہمارے نفوس پر کسی طرح اثر نہین کرتی ہے

اس واسطے درخت کی ذات کا علم شہودی نہین ہو سکتا، صرف ایمانی ہوتا ہے، لیکن ایمانی علم شہودی
علم سے بھی زیادہ یقینی ہوتا ہے، کیونکہ صفات شے کی بدلتی رہتی ہین، ذات شے کی نہین بدلتی، یہی
درخت کبھی چھوٹا تھا، پھول، پھل اسمین کچھ نہین تھا، رفتہ، رفتہ بڑھتا گیا، اور پھول پھل لانے لگا،
پھر خشک ہونے لگا، غرض اسی طرح سے صفات اسکی بدلتی رہین، لیکن ذات ایک ہی رہی، اسی
طرح سے انسان کبھی بچہ ہے، کبھی جوان ہے، کبھی بڈھا ہے، اسکا قد، علم، طاقت، صورت سب بدلتی
رہتی ہین، لیکن وہی انسان جسکی صفتین اس طرح سے بدلتی رہی ہین، پیدائش سے لیکر موت کے وقت تک
اپنے خیال ہین اور دوسرے دیکھنے والون کے خیال ہین ایک ہی رہا ہے، اسکی ذات مین کوئی تغیر نہین ہوا،

شہودی اور ایمانی علوم کے متعلق انسان کے ذہن مین پانچ اصول طبعی طور پر مرتکز ہین

ایک یہ کہ صفات ذات کا عین نہین ہوتین، دوسرے یہ کہ صفات ذات سے پیدا ہوتی ہین، تیسرے
یہ کہ ذات کا وجود خارج مین مستقل ہے، چوتھے یہ کہ صفات کا وجود مستقل نہین ہوتا، بلکہ کسی مستقل وجود پر
موقوف ہوتا ہے، پانچوین یہ کہ صفات کے تغیر سے ذات مین تغیر نہین ہوا کرتا، ان پانچ امور کی ذاتی
صداقت ہونے پر ہر ایک وجدان سلیم شہادت دیتا ہے، اسلئے یہ اصول بدیہی ہین، دلیل کے محتاج
نہین ہین، شہادت سے بڑھکر کوئی اور شے یقینی نہین ہو سکتی،

یہانتک علم کا جو بیان اور اسکی تعریف کیگئی ہے وہ موجودہ ضرورت کے واسطے کافی ہے، اب
یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ نفس کیا ہے؟ یہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ ہر ایک شے کا علم اسکی صفات کے
احساس سے حاصل ہوا کرتا ہے، اسی طرح سے نفس کا علم بھی صرف اسکی صفات کے ذریعہ سے
حاصل ہو سکتا ہے، نفس کی صفات نفس کے حالات مین منحصر ہین، یعنی نفس کی ہر ایک حالت جس سے
جس سے نفسِ حسّاس متاثر ہوتا ہے، نفس کی صفت ہے، انسان کے نفسِ حسّاس پر مختلف حالات
وارد ہوتے رہتے ہین، کبھی سردی ہے، کبھی گرمی، کبھی آرام ہے، کبھی تکلیف، اسی طرح سے بھوک، پیاس،

غم، خوشی، رغبت، نفرت، محبت، عداوت وغیرہ نفس کے حالات ہین، اور نفس کا یہ خاصہ ہے کہ
محض اضداد اور متفاوت اور متمایز اثرات سے متاثر ہوا کرتا ہے، جہان تمیز اور تفاوت نہین وہان
نفس پر کوئی اثر نہین ہوتا، مثلاً گرمی کا احساس اسی وقت ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلے ٹھنڈک کا احساس ہو
اور آرام کا احساس جبھی ہو سکتا ہے جب پہلے تکلیف کا احساس ہو، کیونکہ علم تمیز کا نام ہے، جہان
تمیز نہین وہان علم ناممکن ہے، مگر میری مراد اس علم سے "علم شہودی" ہے، "علم ایمانی" کے لئے یہ شرط
بالکل نہین ہے،

غرض نفس وہ شے ہے جو حالات متفاوتہ اور متمیزہ سے متاثر ہوتا رہتا ہے، جیسے علم شہودی سے
خارجی موجودات کا "علم ایمانی" حاصل ہوتا ہے، اسی طرح سے "علم شہودی" سے نفس کے وجود کا "ایمانی علم"
حاصل ہوتا ہے، اور ساتھ مین وہی پانچون اصول فطری جو ابھی بیان کئے گئے ہین، صفات نفس اور
ذات نفس سے ضروری تعلق رکھتے ہین، یعنی یہ حالات متغیرہ نفس کی صفت ہین جسپر یہ حالات
وارد ہوتے رہتے ہین، نفس بالاستقلال اور بذات خود موجود ہے، یہ حالات اپنے وجود مین نفس کے
محتاج ہین، اور نفس انکا محتاج نہین ہے، اور یہ حالات نفس کا عین نہین ہین، یہ امور ایسے فطری
ہین کہ کوئی انسان سلیم الحواس ان امور مین اختلاف نہین کر سکتا، جو شخص (۸۰) سال کا ہو وہ یقینی
طور پر جانتا ہے کہ پیدائش سے لیکر آج تک شخص واحد رہا ہون، اور ہزار دن قسم کے حالات مجھپر
ہوتے رہے ہین اور گذرتے گئے ہین، ان حالات کے تغیر سے میری ذات مین تغیر کبھی نہین ہوا۔

انسان کے علم شہودی سے تین معلومات حاصل ہوتی ہین، اول صور حسیہ جو براہ راست محسوس
ہوتی ہین، دوسرے ان صور ذہنیہ کی علت جو خارج مین موجود ہوتی ہے، تیسرے ان صفات کا
مظہر یعنی نفس مدرکہ۔ یہ بات اوپر معلوم ہو چکی ہے کہ صفات موصوف کے ساتھ متحد نہین ہین اور
مظہر کے ساتھ بھی متحد نہین ہین، موصوف کے ساتھ انکا معلولیت کا تعلق ہے، یعنی موصوف ان

صور ذہنیہ کی علت ہے، اور مظہر کے ساتھ انکا محلیت کا تعلق ہے، کہ نفس پر یہ حالات وارد ہوتے رہتے ہین، مگر نفس کے ساتھ متحد نہین ہین، ان امور پر غور کرنے سے نفس کی یہ تعریف ہوئی، وہ جوہر جو مورد حالات مختلفہ ہوکر ان حالات کا احساس کرتا ہے، اور اُنکو ایک دوسرے سے تمیز کرتا ہے نفس مدرکہ کہلاتا ہے، چونکہ تمیز اور تفاوت علم کی شرط ہے، بغیر تمیز کے احساس نہین ہوسکتا ہے اِسلئے اس تمیز کا وجود محض حالات واردہ نفس مین ہوتا ہے، ان حالات کے سوا اور کہین نہین ہوسکتا یعنی تمیز و تفاوت کا وجود صرف عالم ذہن مین ہے اور کہین نہین ہے، کیونکہ تمیز کرنا ذہن کا خاصہ ہے جو ذہن کے سوا اور کہین نہین پایا جاتا،

نفس کی معرفت سے رب کی معرفت حاصل کرنے کے لئے صرف ایک قدم بڑھنے کی ضرورت ہے پھر رب کی معرفت کا دروازہ کھل جاتا ہے، جو صورحسیہ کسی موصوف کے وجود خارجی پر دلالت کرتی ہین وہ خود متغیر اور حادث ہین، یہ امر تو بدیہی ہے اور موصوف جو انکی علت ہے بذات خود قائم ہے، یہ فطری وجدان کی شہادت ہے، اور دلالت التزامی کے طور پر اس ذات کا وجود واجب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جو صفتون کے تغیر سے متغیر نہین ہوتا، وہ کسی طرح متغیر نہین ہوسکتا اسلئے واجب ہے، اب یہ بات معلوم کرنی باقی ہے کہ یہ موصوف جو متعدد معلوم ہوتے ہین، یہ تعدد موصوف مین ہے یا نفس مین ہے، یا محض حالات نفس مین ہے، اسمین تو شک نہین کہ یہ تعدد حالات نفس مین ہے، کیونکہ بغیر تمیز اور تعدد کے احساس ممکن نہین ۔ لیکن جو صور محسوسہ کی علت ہے اسمین بھی تمیز اور تعدد جیسے ظاہر مین معلوم ہوتا ہے حقیقت مین ہے یا نہین، اس بات کو معلوم کرنا چاہئے عالم ذہنی اور عالم خارجی اسمین ایسے مختلف ہین کہ جو شے ایک مین ہے وہ دوسرے مین نہین، عالم ذہنی محض صفات کا محل ہے، اور عالم خارجی محض ذات کا محل ہے، اگر عالم خارجی مین تمیز اور تفاوت تسلیم کیا جائے تو اسکے یہ معنی ہونگے کہ ذہن وہان موجود ہے، جہان ذہن موجود نہین ہے کیونکہ

تمیز ذہن ہی کا فعل ہے، اگر خارج از ذہن تمیز مان لیجائے تو یہی معنی ہوے کہ ذہن خارج از ذہن موجود ہے یہ اجتماع نقیضین ہے اسلئے خارج مین تمیز نہین ہے، لیکن وجود ضرور ہے، کیونکہ یہی وجود تو صور ذہنیہ کی علت ہے۔ اگر یہ وجود نہو تو صور ذہنیہ کہان سے پیدا ہون، اِسلئے وجود خارج مین ہے، اور اسمین تمیز نہونیکے باعث وہ وجود واحد ہے، اور یہ وجود قابل تغیر بھی نہین ہے، کیونکہ اسمین تغیر ہوا تو تفاوت اور تمیز ہوئی، حالانکہ تفاوت اور تمیز کا وجود ذہن کے خارج ممکن نہین،

اس امر کی دلیل کہ حالات نفس کا وجود خارج مین نہین ہے تلاش کرنیکی ضرورت نہین ہے کیونکہ یہ امر بدیہی ہے۔ کسی شے کے دیکھنے سے انسان کو خوشی ہوتی ہے، اور کسی شے کے دیکھنے سے خوف یا غم ہوتا ہے، ایسا نادان کوئی شخص نہین ہے جو یہ کہے کہ خوشی، خوف، اور غم خارج مین موجود ہین وہان سے میرے نفس مین داخل ہوتے ہین، بلکہ ہر ایک شخص طبعی طور پر اس بات کو جانتا ہے کہ خوشی، خوف، غم وغیرہ میرے نفس کے حالات ہین، صرف انکا سبب خارج مین موجود ہے، یہ حالات خارج مین موجود نہین ہین، علاوہ اسکے اور بہت سی شہادتین اس امر کی موجود ہین کہ حالات ذہنی ذہن مین ہی محدود ہین، خارج مین انکا وجود نہین ہے، مثلاً ایک برتن مین سو درجہ کی حرارت کا پانی ہو اُسمین ہاتھ ڈالنے سے کسی کو وہ پانی سرد معلوم ہوگا، کسی کو گرم معلوم ہوگا، جسکا ہاتھ سرد ہو اسکو گرم معلوم ہوگا، اور جسکا ہاتھ گرم ہے اسکو سرد معلوم ہوگا، حالانکہ پانی ایک ہی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سردی گرمی کا وجود ذہن کے ذہن مین ہے، خارج مین کہین نہین ہے، اسی طرح سے متعفن مردار گوشت کو چیل کوے بڑے مزے سے کھاتے ہین، انسان اُسکے قریب جانے سے بھی نفرت کرتا ہے، حالانکہ خارج مین وہ چیز ایک ہی ہے، غرض حالات نفس کے تفاوت صرف حالات نفس ہی مین منحصر ہین خارج مین انکا وجود کہین نہین ہے، اگر کسی کو ایک چابک زور سے مارا جاے تو اسکو بڑی تکلیف ہوگی، اس تکلیف کی علت تو چابک کا لگنا ضرور ہے، لیکن وہ تکلیف جو اس نے محسوس کی ہے، چابک مین

موجود نہین ہے، پس جب خارج مین تمیز و تفاوت ہنوا تو ثنینیت اور تعدد بھی خارج مین نہین ہو سکتا،
اسلئے جو وجود خارج مین موجود ہے وہ واحد ہے،

اب یہان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم شہودی دو وجودون پر دلالت کرتا ہے، ایک وہ وجود جو صفات کی علت ہے، اور دوسرا وہ وجود جو صفات کا مظہر ہے، اگر یہ دو وجود ہوے تو خارج مین تفاوت اور تمیز جو ہوئی، اس کا جواب ظاہر ہے کہ مظہر ہونا اور علت ہونا خود امور اعتباری اور ذہنی ہین، خارج مین یعنی حقیقت مین علتِ صور ذہنیہ، اور مظہرِ صور ذہنیہ دونون ایک ہی ہین، جیسے آفتاب، ماہتاب، ستارے، ہوا، پانی، زمین، حیوانات، نباتات، جمادات سب مختلف اشیا معلوم ہوتی ہین، لیکن انکا ما بہ الامتیاز جو انسان کے ذہن مین ہے، اس سے علٰحدہ کرکے دیکھا جاے تو انمین تفاوت یا تعدد ہونا ممکن ہی نہین، موجودات عالم پر اور اپنے نفس پر غور کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عالم مین صرف ایک وجود ہے، جو غیر متغیر قدیم اور واجب ہے، اور دوسرا اسکا ظہور ہے، وہ حادث اور متغیر اور ممکن ہے، وجود ایک سے زیادہ ہونا ممکن نہین ہے، کیونکہ ایک سے زیادہ ہو تو تفاوت ہو گیا، اور تفاوت نام ظہور کا ہے، اور ظہور مین کثرت لازم ہے،

غرض جب تک متضاد حالات نفس پر وارد نہون احساس ناممکن ہے، اسلئے اس عالم مین ایک وجود ہے، اور بے انتہا اسکے ظہورات ہین، "وجود رب" ہے اور یہ ظہور تمام اسکی صفات اور شیونات کے مظاہر ہین،

باقی

ابن یمین
اور
انکی شاعری

از مولوی ابو الحسنات ندوی رفیق دار المصنفین

ایران قدرتاً ہر حیثیت سے شاعری کے لئے موزون ملک تھا، اور یہی سبب ہے کہ شعرا کی جتنی بڑی تعداد اسکے چند مشہور شہرون سے الگ الگ جمع ہو سکتی ہے، غالباً ایشیا کے اور کسی پورے ملک سے بھی نہین ہو سکتی، لیکن ان تمام شعرا مین سے اگر ہم صرف ان اشخاص کو منتخب کرنا چاہین جنکی شاعری محض رسمی یا کسی سطحی مقصد کی بنا پر نہ تھی، بلکہ انکا کوئی خاص خیال یا نصب العین تھا جسکی توضیح و اشاعت کا بہترین ذریعہ انکی شاعری تھی، تو ہمکو گنتی کے چند نام مل سکین گے، سعدی، حافظ، عمر خیام، اور ابن یمین یا چند اور صوفی شعرار، سعدی کا کلام گوناگون پند و نصائح کا مجموعہ ہے، حافظ اور عمر خیام راز حیات انسانی یعنی عیش و مسرت کے نقیب ہین، صوفی شعرار کا تمامتر نشہ بادۂ توحید و وحدت وجود سے ہے، ابن یمین کی شاعری بھی اخلاقی و معاشرتی نصائح اور انسانی راز زندگی کی تفسیر ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ بعض جداگانہ خصوصیات کی بنا پر اسکی شاہراہ سب سے الگ نظر آتی ہے،

فارسی شاعری بلحاظ مضامین جن انواع و اقسام کا مجموعہ ہے، ان مین فلسفہ و اخلاق کا بھی معتد بہ حصہ ہے، فلسفہ کا موضوع حقائق اشیا رہے، اور اس لحاظ سے یہ بالکل ایک خشک عنوان ہے لیکن فارسی شاعری کی زبان سے جب اسکے رموز و نکات ادا ہوتے ہین تو ان مین عجیب لطافت و دلاویزی آجاتی ہے، اسی طرح اخلاق کا موضوع وہ اصول و عملیات ہین جنکی بنا پر انسانی زندگی ہر حیثیت سے کامیاب ہو سکتی ہے، بظاہر اسکا تعلق علم معاشرت اور علم سیاست مدن سے ہے،

اور واقعہ بھی یہی ہے، لیکن جب ایک شاعر اسکے کسی اصول کو اپنے چند سحر طراز موزون فقرون مین کہہ جاتا ہے تو طبایع انسانی پر وہ اثر پڑتا ہے جو علم معاشرت اور علم سیاست مدن کے سینکڑون صفحون سے بھی نہین پڑسکتا، اس بنا پر اور دوسرے مضامین کے ساتھ شعرا نے اخلاق کو بھی اپنا موضوع سخن قرار دیا، سعدی، حافظ، عمر خیام، اور ابن یمین تمام شعراے ایران مین فلسفیانہ اور اخلاقی شاعری کے پیشرو ہین، یہ سچ ہے کہ ابن یمین اپنی جماعت کے مشہور ممبر نہین لیکن اسکا سبب انکی گوشہ گیر زندگی ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ انکی بزم شاعری مین جام و شراب اور حسن و عشق کا گذر نہین، اسلئے عام لوگون کو انکا طرز کلام بے نمک معلوم ہوتا ہے،

ابن یمین خراسان کے قصبہ فرومد مین پیدا ہوئے، باپ کا نام محمود ہے، قوم کے ترک تھے، محمود بھی شاعر تھے، شاعری کی تعلیم انہین سے حاصل کی، اکثر اپنے والد کی طرحون پر شعر کہا کرتے تھے، مثلاً اپنے والد کی اس رباعی پر

دارم زعتابِ فلکِ بوقلمون — وز گردشِ روزگار خس پرورِ دون
چشمے چو کنارۂ صراحی ہمہ اشک — جانے چو میانۂ پیالہ ہمہ خون

یہ رباعی کہی،

دارم زجفاے فلکِ آئینہ گون — بر آہ دلے کہ سنگ از و گردد خون
روزے بہ ہزار غم بہ شب روز آرم — تا خود فلک از پردہ چہ آرد بیرون

پیدائش کی تاریخ معلوم نہین، لیکن وفات کی تاریخ ۸ جمادی الثانی ۷۶۹ھ ہے، مرتے وقت یہ رباعی کہی تھی،

منگر کہ دل ابن یمین پرخون شد — بنگر کہ ازین سراے فانی چون شد
مصحف بکف و چشم برہ، روی بدوست — با پیک اجل خندہ زنان بیرون شد

اب انکا پورا کلام تو نہین ملتا، کیونکہ اسکا زیادہ حصہ سربدارون کے ہنگامہ مین ضایع ہوگیا لیکن انکے قطعات اور چند غزلون کا مجموعہ موجود ہے جو اسوقت میرے سامنے ہے، تذکرون سے معلوم ہوتا ہے ابتدا مین غزل اور قصیدہ سب کچھ کہتے تھے، سربدارون انکا ممدوح تھا، لیکن جیسا کہ موجودہ کلام کے مطالعہ سے ہر شخص انکی اصلی فطرت کو معلوم کرسکتا ہے، یہ چندروزہ مداحی و قصیدہ خوانی اس فطرت کے قطعاً خلاف تھی، اسلئے وہ بہت جلد شاہی تعلقات سے کنارہ کش ہوگئے، اور تھوڑی سی زمین جو انکے قبضہ مین تھی اسکی کاشتکاری سے تمام زندگی بسر کر گئے، چنانچہ خود کہتے ہین،

مدتے شعر زہر نوع کہ آمد، گفتم — لفظ و معنیش بدان سان کہ پسندد ہمہ کس
غزل از روے ہوس بود و مدائح ز طمع — نہ طمع ماند کنون در دل تنگم نہ ہوس
زین پس اے ابن یمین دام طمع باز بکش — عنکبوتے ز تو لائق بنود بہر مگس
صحت و وجہ معاش و ہمہ اسباب بکام — ناسپاسی مکن انصاف بدہ این تت بس
بنشین فارغ و تیمار منہ بر دل از آن — کہ چو شاہان نرود مرکبت از پیش و نہ پس

(غم)

حقیقت یہ ہے کہ اخلاق کے دامن پر مداحی و رندانہ تغزل کا دھبہ بیحد بدنما تھا، اسلئے انکے دیوان کے وہ اوراق جن پر یہ دھبے تھے ضایع ہی جانیکے لائق تھے، قدرت نے انکو ضایع کرکے یہ دھبہ خود اپنے ہاتھون سے دھو دیا، لیکن اسکا افسوس ضرور ہے کہ ساتھ ہی حکیمانہ و اخلاقی نصائح کے چند گرانبہا ورق بھی برباد گئے، بہرحال ابن یمین کا جو کچھ بھی کلام بچا کھچا رہ گیا ہے وہ اخلاقی تعلیمات کا ایک صاف شفاف آئینہ ہے، چنانچہ اس آئینہ کا آئینہ ساز اپنے جوہر شاعری پر فخر کنان کہتا ہے،

منت ایزد را کہ ہستم با قناعت ہمنشین — نیستم با کس رجوعے گر سقیمم در صحیح
نگذرم بر صدر مخلوق ار کریم ست و لئیم — ننگرم بر روی معشوق ار قبیح ست و ملیح

دین نہ پنہانست خوانِ شعر گستردم چنانکہ
در مذاق عقل باشد با حلاوت ہمچ

ختم بر من شد سخن ہمچونکہ معجز بر نبی
دین سخن بر روے اہل نطق میگرم فصیح (خیاط)

در نداری باورم شعرے ز دیوانم بخوان
تا ازو آیات معجز در نظر آید صریح

کو مرا ممدوح تا مدحش گویم آنچنانکہ
لفظ آن باشد فصیح و عرصۂ معنی فسیح (دلشاد)

ان اشعار کو پڑھکر ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ ترک طمع و ہوس اور قناعت کی طرف ا[ن]کی طبیعت کا اصلی رجحان ہے، اور یہی طبعی رجحان الفاظ کے قالب مین شعر بنکر نکل رہا ہے پھر سا[تھ ہی] ایک لمحہ کے لئے انکی زندگی کو سامنے لاؤ تو صاف نظر آئیگا کہ انکی زندگی اُنکے دلی خیالات کا آئینہ [ہے]

ابن یمین نے فلسفہ اخلاق کے جسقدر گونا گون راز فاش کئے ہین اور جن نکتون کو سو[طرح] ذہن نشین کرانا چاہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اُنکو چند عنوانون مین بیان کرنا آسان نہین، اسلئے انکے خیالات اور تعلیمات کی ہم ایک اجمالی فہرست بیان دیتے ہین،

حوادث کا مقابلہ صبر و تحمل سے	معاوضہ عمل	دوستی
عزلت و تنہائی	علم و حکمت کے لئے سعی و جہد	دوستون کو رنجیدہ نکرو
وقت کی قدر و قیمت	خودداری	طلب علم کی ترغیب
توکل، قناعت اور استغنار	ظاہر و باطن کی یکرنگی	حسد سے پرہیز
آزادی اور اعتدال کی تعلیم	تواضع کسکے ساتھ کرنا چاہیئے	اپنی خدمت آپ کرنا چاہیئے
آسمان کی دون پروری	حسن سلوک	نیکی کا ثمرہ
عوام سے علیحدگی	فقدان احباب	بادشاہون کے خصائص
دنیا کی حقیقت	ہمت عالی	انسانون سے حاجت طلبی
رضا بالقضا،	خموشی	بدگوئی و عیب جوئی

کم آمیزی	موت کی یاد	مہمان کی خدمت
قول و عمل	ہمسایہ و قرین	زمانہ احال کو ضایع نہ کرو
ترک طمع	خدا کے سوا ہر شئے فانی ہے،	کبر و غرور
مکارم اخلاق	وجہ کفاف ہو تو نوکری نہ کرو	مردمی کیا ہے
تیغ و قلم کا موازنہ	رزق محنت سے حاصل کرو	محتاجون کے کام آؤ
حاصل عمر	کوئی بڑا منصب پاکر چھوٹون کو نہ بھولو	حلم کی فضیلت
ترک احسان پذیری	آخرت طلبی،	عمل صالح کی ترغیب
مردون سے استعانت نکرو	اپنا راز کسی سے نہ کہو،	وسیع المشربی
کذب کی مذمت	نیکنامی	ایذا رسانی سے پرہیز

. . . . . آخرت کا خیال . . . .

بظاہر یہ نظر آئیگا کہ یہ تعلیمات اور مسائل ابن یمین کے ساتھ مخصوص نہین، تمام اخلاقی شعرا نے تقریباً اُلٹ پلٹ کر انہین خیالات کو ادا کیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس بڑی جمعیت مین کمتر ایسے ہین جنکے خیال اور عمل مین اتحاد ہو، یا جنکے اخلاقی مواعظ کا تیر کبھی کبھی بہک کر اصل مجسمۂ اخلاق یعنی مذہب کے کسی پہلو کو زخمی نہ کرتا ہو، شیخ سعدی کے قصاید، اور خواجہ حافظ کی غزلین سلاطین اور امرا کے محامد سے لبریز ہین، عمر خیام نظام الملک اور ملکشاہ کا وظیفہ خوار تھا، اور بہت سے مسائل مین اسکی تعلیم مذہبی مسائل سے ٹکراتی ہے، اور بہت سے اخلاقی شعرا ہین جنکا یہ حال ہے کہ اُنکی زبان ایک طرف تو قناعت و توکل کے مضامین کا دریا بہا رہی ہے، دوسری طرف سلاطین و امرا سے حسن طلب کے نئے نئے پہلو ادا کر رہی ہے، لیکن ابن یمین کا قال اُنکے حال کے مطابق ہے، اسلئے انکے تمام کلام مین یہ دو خصوصیتیں ہر جگہ نمایان نظر آتی ہین،

(۱) وہ جن خیالات واعتقادات کی تلقین کرتے ہین ان مین مذہبی نقطۂ نظر سے کبھی دُور نہین ہٹے ہین،

(۲) جو کچھ کہتے ہین اسکا عملی نمونہ خود زندگی تھی، اسلئے جو اثر اور جوش اُنکے کلام مین ہے، وہ کسی دوسرے مین نہین،

یہ دو خصوصیتین درحقیقت اس درجہ اہم ہین کہ اُنکو ممتاز شاعر سے بڑھا کر ایک بلند پایہ اور قابل تقلید انسان بنا دیتی ہین،

اصولاً اخلاقی شاعری پران متعدد حیثیتون سے نظر ڈالی جاسکتی ہے،

(۱) کس قسم کے اخلاق کی تعلیم دی،

(۲) شاعر جوش بیان مین اعتدال کی حد سے تو نہین گذرا،

(۳) جن الفاظ اور تشبیہون کے ذریعہ اخلاقی نکتے بیان کئے اُنکے انتخاب مین کسی قسم کی بد اعتدالی تو نہین کی،

ان تین باتون کو پیش نظر رکھکر ہر اخلاقی شاعری پر نظر ڈالنی چاہیئے،

فارسی شعراء مین متعدد اشخاص ہین جنھون نے قناعت، توکل، مذمت طمع اور ترک ہوس کو گوناگون پہلو سے ادا کیا ہے، لیکن جس زور، جس خوبی اور جس اثر سے ابن یمین کے اشعار لبریز ہین وہ اورون کو نصیب نہین، اسکا سبب صرف یہ ہے کہ اور لوگ بہ تکلف اور شاعری کے رسمی اصول پر ان خیالات کو نظم کرتے تھے، بخلاف اسکے ابن یمین پر قناعت، توکل اور گوشہ گیری کا نشہ چھا گیا ہے، اسلئے اُنکے ہر فقرے اور ہر جملے مین اُس بادۂ تند کی سرمستی ہوتی ہے،

فارسی کی اخلاقی شاعری مین قناعت ایک عام مضمون ہے جسکو تمام شعراء نے مختلف پیرایون سے لکھا ہے، لیکن قناعت کی جو تصویر ابن یمین نے کھینچی ہے وہ سب سے الگ ہے،

دو قرص نان اگر از گندم ست یا از جو — دو تاے جامہ اگر کہنہ ست یا از نو

بہ چار گوشۂ دیوار خود بخاطر جمع — کہ کس نگوید ازینجا بخیز و آنجا رو

ہزار بار فزون تر بہ نزد ابن یمین — ز فر مملکت کیقباد و کیخسرو

اگر دو گاو بدست آوری و مزرعۂ — یکے امیر و یکے را وزیر نام کنی

ہزار بار ازان بہ کہ از پے خدمت — کمر بہ بندی و بر مردکے سلام کنی

عام طور پر ہمارے شعراء کی تعلیم قناعت کا یہ نتیجہ سمجھا جاتا ہے کہ اسکے باعث انسان اسباب عالم سے بے نیاز ہو کر سعی و عمل کے جھگڑون سے کنارہ کش ہو رہتا ہے، اور اس طرح اپنی جمعیت و قوم کے لئے بار ہو جاتا ہے، ممکن ہے کہ بعض شعراء کے غیر معتدل طرز کلام سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہو لیکن ابن یمین جس قناعت کی تعلیم دیتے ہین اور جس انداز سے دیتے ہین وہ اس اعتراض سے قطعاً بری ہے، ابن یمین قناعت کی نصیحت کرتے ہین لیکن سعی و عمل کی دعوت سے اُنکی زبان نہین رُکتی، وہ صرف ضرورت سے زیادہ کی ہوس اور فقیرانہ احتیاج کو قناعت کے خلاف قرار دیتے ہین، چنانچہ ایک دوسرے موقع پر کہتے ہین،

ہر کہ دارد کفاف عیش جہان — کہ نباشد دران بکس محتاج

کلبۂ نیز بایدش کہ بہ آن — نکند ہر دمش کسے اخراج

در جہان بادشاہ وقت خود است — این چنین کس نہ بنگرد سوے تاج

بیشتر زین مجوے ابن یمین — تا بمانی مگر ازین محتاج

استغنا

غربت اور قلیل البضاعتی ایک قدرتی امر ہے کوئی عیب و ذلت نہین، ہر شخص جانتا ہے کہ اُنکی سوسائٹی مین کتنے مختلف الحیثیت اشخاص ہین، پھر بھی ایک کم مایہ انسان ذلیل نہین سمجھا جاتا مگر یہی شخص جب زرطلبی کا شیوہ اختیار کر لیتا ہے تو اسکی عزت خاک مین ملجاتی ہی، اس بناپر

اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کے لئے ہر شخص کو استغنا سے کام لینا چاہیئے،

مرد آزادہ درمیانِ گروہ　　گرچہ خوشخو و عاقل و داناست
محترم آنگہی تواند بود　　کہ از ایشان بمالش استغناست
وانکہ محتاج خلق شد خوارست　　گرچہ در علم بوعلی سیناست

بااین ہمہ جب انسان پر ضرورتون کا ہجوم ہوتا ہے تو بسا اوقات مضبوط ارادون کے باوجود اسکے پائے ثبات مین لغزش ہوتی ہے، ایسے مواقع کے لئے اس سے بہتر تسکین بخش تعلیم اور کیا ہوسکتی ہے؟

تا توانی التماس از کس مکن　　خاصہ از ناکس کہ آن عین خطاست
گر دہد ماندی بزیرِ منّتش　　ور نہ دادت آبرویت رائگاست

اگر دیا تو اسکے احسان کے زیر بار ہوا اور نہ دیا تو تیری آبرو گھٹی

گر کند نفست خطا ہا صبر کن　　زانکہ عز صبر بہ از ذلِ خواست

تجھکو اگر نفس کبھی ایسی غلطی کے لئے آمادہ کرے تو صبر کر اسلئے کہ صبر کی عزت طلب کی ذلت سے بہتر ہے،

ہماری اخلاقی شاعری مین توکل کا باب بھی کچھ کم بدنام نہین ہے، عام طریقہ سے یہ خیال پھیل گیا ہے کہ ہمارے شعراء نے جس توکل کی تلقین کی وہ تعطل محض ہے، اسیکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہم مین کثرت سے اپاہج اور نکمّے افراد پیدا ہوگئے ہین، ممکن ہے کہ یہ نتیجہ کسی اور شاعر کے کلام سے پیدا ہوتا ہو لیکن ابن یمین جس توکل کی تعلیم دیتے ہین وہ اور شے ہے،

ایدل مدار امید کرم ز اہل روزگار　　کا ینہا کہ ماندہ اند کریمان نماندہ اند
وینہا کہ برزوند سر از جیب خواجگی　　بر مکرمات دامن ہمت فشاندہ اند
برکندہ اند سروسہی را ز جویبار　　برجاے سرو بقلۂ حمقا نشاندہ اند

از بد چہ چارہ ابن یمین رو صبور باش　　کاندر ازل بہرچہ رود خامہ راندہ اند

ایک اور قطعہ مین کہتے ہین کہ زمانہ انسان کو ہزار پست کرے تاہم اولوالعزمی کے خلاف ہے کہ انسان پست ہمت ہوجائے، جب تمھاری روزی خزانۂ غیب سے مقرر ہے تو پھر کسیکے آگے ہاتھ پھیلانے سے بڑھکر دون ہمتی کیا ہوگی، مرد کو چاہیئے کہ عزت کے ساتھ اپنے کام اور ضروری مشاغل مین لگا رہے کہ دوسرون کی خدمتگذاری کی نوبت نہ آئے،

ہرچند روزگار کند پست مرد را　　از ہمتِ بلند نشاید بکاستن
رزقت چو از خزانۂ خالق مقدرست　　دون ہمتی بود ز درِ خلق خواستن
بنشین بعزت از پئے کار یکہ کارِ تست　　تا پیش کس بپاے نباید بخواستن

ایک اور حیثیت سے توکل پر نظر ڈالی جاسکتی ہے، یعنی یہ کہ عین اسوقت جب انسان پر مصائب کا بادل برس رہا ہو، اور وہ مائیسون اور ناامیدیون کے ہجوم مین گھرا ہو، کوششون نے ہر طرف سے ناکامیون کا ثبوت دیا ہو، یورپ مین اس سانحہ کا بہترین علاج خودکشی ہے، اور ایشیا مین دون ہمتی اور افسردہ دلی، لیکن اسکا اثر یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے اور ہر مقصد کے لئے اسکی زندگی ناکام ہوجاتی ہے ایسی حالت مین حقیقت یہ ہے کہ صرف اعتقاد تقدیر کا جلوہ ہمارے لئے راحت و تسکین کا بہت بڑا ذریعہ ہے، ذیل کے قطعہ مین کس خوبی اور صفائی سے ابن یمین نے اس خیال کو ادا کیا ہے،

ہر کہ بر حضرت دادار (خدا) توکل دارد　　مخلصی زود پدید آیدش از بند ہموم
وانکہ با طاعت و پرہیز زود بر درِ او　　شافعش بس بود این گرچہ جہولست و ظلوم
طالع ار سعد و گر نحس، بفرمانِ وے ہست　　بزدرہ بقضا معتقد رمل و نجوم
بودنی عاقبت الامر بباشد لیکن　　ہر یکے را محلے باشد و وقتِ معلوم

سعادت و نحوست، خیر و شر جو کچھ ہے سب خدا کی طرف سے ہے، اسلئے آخر کے دو شعرون مین

اسکی تصریح کردی کہ قضائے الٰہی مین جو کچھ ہے وہ نجوم و رمل کی چارہ جوئی سے ٹل نہین سکتا، جو کام جس وقت کے لئے مقدر ہے وہ ہوکر رہیگا، پھر رنج و افسوس اور مایوسی و افسردہ دلی کیون ہو،

عزلت و تنہائی

سوسائٹی اور حلقۂ معاشرت کسیقدر بلند ہو، تاہم اسمین جو کشمکش، ہنگامہ اور اختلاف [illegible] برپا رہتے ہین وہ ایک سالک کی راہ کے کانٹے ہین، نیکدل اُنسے فطرۃً کنارہ کش رہنا چاہتے ہین وہ عزلت مین بیٹھکر سوسائٹی کے جرائم کو آشکارا کرتے ہین اور اُنسے بچنے کی تدبیر بتاتے ہین، ابن [illegible] اس مسئلہ کو بلاغت اور حسن تشبیہ کے ساتھ یون ادا کیا ہے،

عزلت و انزوا و تنہائی ــــ برہانندت از ہزار بلا

رستہ از دام ہر زبون گیری ــــ از چنین حال ہا شود عنقا

در جہان ہیچ بہ از عزلت و تنہائی نیست ــــ دین سعادت ز در مردم ہرجائی نیست

کنج عزلت کہ فلاحی و رفاہیت درو ــــ بخوشی کمتر ازین منظر مینائی نیست

گر بدست آرد ازین گونہ مراد ابن یمین ــــ نفروشد بجہانیش کہ سودائی نیست

لیکن عزلت و تنہائی کا حقیقی مفہوم اتنا ہی کہدینے سے ادا نہین ہوتا بلکہ ہر تعلق جو انسانی آئینۂ اخلاق کو مکدر کردے، اس سے انقطاع اصلی تنہائی اور ہر انسان کے دست کرم کی طرف سے قطعی چشم پوشی کرلینا حقیقی عزلت ہے، اسلئے ایک اور قطعہ مین اس مضمون کو تصریح یون بیان کیا،

گر بدست آید مرا لبے در دِ سر نانِ جوین ــــ قانعم، منت پذیر از من و از سلوی نیم

در پلاسے باشدم پوشش یقین در خندہ ــــ طالبِ دیبائے چین و اطلس خارا نیم

از کسے لطفے نمی بینم کہ گویم مدح او ــــ بر جمالِ دلبرے ہم عاشق و شیدا نیم

چون بود در کنج عزلت بکرِ فکرم ہمنشین ــــ راست گو این بین در جنت الماوا نیم

(نجی)

فلسفۂ لی بان

عقل و نقل

دنیا مین اگرچہ ہمیشہ ملاحدہ کا ایک مختصر گروہ موجود رہا ہے، لیکن ملاحدہ سے الگ ہمیشہ فلسفہ و مذہب کی کشمکش نے ایک معتدل گروہ بھی پیدا کیا ہے، جسکا مقصد دونون کے متضاد اصول و ارکان مین تطبیق دینا تھا، اس گروہ کی تعداد ہمیشہ ملاحدہ سے زیادہ رہی ہے اور آج بھی ہے، علوم و فنون نے ہمیشہ اس گروہ پر فخر کیا ہے، اور آج بھی کررہے ہین، اس گروہ نے مذہب اور فلسفہ کی آمیزش مین جو نکتہ آفرینیان اور جدت طرازیان کی ہین وہ علم و فن کے رخسارے کا غازہ، خال و خط، اور آب و رنگ ہین، لیکن سوال یہ ہے کہ انکا مقصد خود مذہب کے مقصد پر منطبق ہوسکتا ہے یا نہین ؟

یہ مسلم ہے کہ مذہب دنیا مین فلسفہ و سائنس کی ترقی کے لئے نہین آیا، مذہب کا مقصد صرف تصحیح عقاید، تربیت اخلاق، اور تزکیۂ نفس ہے، مذہب کبھی اس دائرہ سے باہر قدم نہین رکھتا لیکن جب ان تمام چیزون کی کامل اصلاح ہوجاتی ہے تو وہ لازمی طور پر علمی اور تمدنی ترقی کا ذریعہ بنجاتی ہے، اس بنا پر اگرچہ مذہب علم و تمدن کو ترقی دیتا ہے، لیکن یہ ترقی اسکی حقیقت مین داخل نہین ہے، اگر کوئی مذہب علمی اور تمدنی ترقی مین حصہ نہین لیتا تو اُسپر یہ اعتراض نہین کیا جاسکتا کہ "اس نے علم و تمدن کو نشو و نما نہین دی" بلکہ اسپر صرف یہ الزام آسکتا ہے کہ اُس نے کامل طور پر عقاید اور اخلاق کی اصلاح نہین کی،

فلسفہ ہمیشہ ایک دلچسپ چیز خیال کیا گیا ہے، اور اسی دلچسپی کی بنا پر ایک گروہ نے مذہب کو فلسفہ کے قالب مین ڈہالنا چاہا ہے، لیکن اس زمانہ مین علمی دلچسپی کے ساتھ فلسفہ نے تمدنی ترقی مین بھی نمایان حصہ لیا ہے، اسلئے آج تطبیق نقل و عقل کی کوشش صرف اس بنا پر نہین کیجاتی کہ وہ ایک دلچسپ علمی مشغلہ ہے، بلکہ مذہب کو فلسفیانہ قالب مین ڈہال کر اسکو علمی اور تمدنی ترقی کا ذریعہ بنایا جاتا ہے، اس بنا پر اصل سوال یہ ہے کہ اگر فلسفہ کو مذہب کا لازمی جزو تسلیم کرلیا جائے، اگر مذہب اور فلسفہ کے اصول و آئین مین کامل طور پر تطبیق دیدیجائے بلکہ اگر تمام آسمانی کتابین فلسفہ و سائنس کی کتابین بن جائین، تو اس حالت مین مذہب اپنی اصلی طاقت کہو دیگا یا اسکی قوت مین کوئی جدید اضافہ ہوگا؟ یعنی وہ اس صورت مین علم و تمدن کو زیادہ ترقی دیسکیگا یا اس حالت مین جب کہ اسکا قالب فلسفیانہ روح سے خالی تہا، انکو زیادہ ترقی دیسکتا تہا؟

قدما نے اسقدر اصولاً تسلیم کرلیا تہا کہ مذہب ہمیشہ فلسفیانہ مسائل کی تحقیقات سے اپنا دامن بچاتا ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین لکھتے ہین،

ومن سیرتهم ان لا یشتغلوا بما لا یتعلق بتهذیب النفس وسیاسة الامة کبیان اسباب حوادث الجو من المطر والکسوف والهالة وعجائب النبات والحیوان ومقادیر سیر الشمس والقمر واسباب الحوادث الیومیة وقصص الانبیاء والملوک والبلدان ونحوها اللهم الا کلمات یسیرة الفها اسماعهم وقبلها عقولهم یوتی بها فی التذکیر بآلاء الله والتذکیر بایام الله علی سبیل الاستطراد بکلام

اور انبیا کا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ لوگ اُن چیزون مین مصروف نہین ہوتے جنکا تعلق تہذیب نفس اور قوم کی سیاست سے نہین ہے، مثلاً وہ لوگ حوادث فضائیہ یعنی بارش، گہن، ہالہ، نباتات و حیوانات کے عجائب چاند اور سورج کے رفتار کی مقدار، اور روزانہ واقعات کے اسباب، پیغمبرون، بادشاہون، اور شہرون کے قصے وغیرہ نہین بیان کرتے، البتہ اس قسم کی جن باتون سے قوم کے کان آشنا ہو چکے ہین، انکا کسیقدر اجمالی ذکر

اجمالی یسامح فی مثله بایراد الاستعارات والمجازات ولهذا الاصل لما سألوا النبی صلی الله علیه وسلم عن لمیة نقصان القمر وزیادته اعرض الله تعالی عن ذلک الی بیان فوائد الشهور فقال یسئلونک عن الاهلة قل هی مواقیت للناس والحج وتری کثیرا من الناس فسد ذوقهم بسبب الانس بهذه الفنون او غیرها من الاسباب فحملوا کلام الرسل علی غیر محمله۔

(صفحہ ۸۸ مطبوعہ ہند)

ضمناً و تبعاً استعارات و کنایات کے ساتھ خدا کی نعمتون، اور خدا کے گذشتہ واقعات کے سلسلہ مین کردیتے ہین یہی وجہ ہے کہ جب کفار نے آنحضرت صلعم سے چاند کے گھٹنے اور بڑہنے کی وجہ پوچھی تو خدا نے اس سے اعراض کرکے صرف مہینون کے فوائد بتائے، کہ لوگ گر تم سے ہلال کے متعلق سوال کرتے ہین تو کہدو کہ اسکے ذریعہ سے آدمیون کا اور حج کا وقت معلوم کیا جاتا ہے، لیکن تم کو بہت سے لوگ نظر آتے ہین جو ان فنون کی شیفتگی یا دوسرے اسباب سے پیغمبرون کے کلام کا حمل اس موقع پر کرتے ہین جو اسکا اصلی موقع نہین،

شاہ صاحب نے پیغمبرون کی تعلیم و تربیت کا ایک اور اصول بھی بتایا ہے،

ومن سیرتهم ان لا یکلموا الناس الا علی قدر عقولهم التی خلقوا علیها وعلومهم التی هی حاصلة عندهم باصل الخلقة وذلک لان نوع الانسان حیث ما وجد فله فی اصل الخلقة حد من الادراک زائد علی ادراک سائر الحیوانات الا اذا عصت المادة جداً وله علوم لا یخرج الیها الا بخرق العادة المستمرة کالنفوس القدسیة من الانبیاء والاولیاء او بریاضات شاقة

اور پیغمبرون کی تعلیم و تلقین کا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ لوگون سے انکی فطری عقل اور انکے فطری علوم کے مطابق گفتگو کرتے ہین، اسکی وجہ یہ ہے کہ نوع انسان کہین بھی موجود ہو لیکن فطرۃً اسکے علم و ادراک کا درجہ تمام حیوانات سے بلند ہوتا ہے، البتہ جب مادہ بالکل ناقابل ہوجاتا ہے تو اسکی یہ ضرورت فنا ہو جاتی ہے، اس فطری علم کے علاوہ اسکے علم کا ایک درجہ اور بھی ہے جو یا تو بطور خرق عادت کے حاصل ہوتا ہے اور یہ درجہ انبیا اور اولیا کے

تعمى نفسه لادراك ما لم يكن عنده
بممارسة قواعد الحكمة والكلام واصول
الفقه ونحوها مدة طويلة فالانبياء لم يخاطبوا
الناس الا على منهاج ادراكهم الساذج
المودع فيهم باصل الخلقة ولم يلتفتوا
الى ما يكون نادر الاسباب قلما يتفق
وجودها فلذلك لم يكلفوا الناس ان
يعرفوا ربهم بالتجليات والمشاهدات ولا
بالبراهين والقياسات ولا ان يعرفوه منزها عن
جميع الجهات فان ذلك كالممتنع بالاضافة
الى من لم يشتغل بالرياضات ولم يخالط المعقوليين
مدة طويلة ولم يرشد وهم الى طرق
الاستنباط والاستدلالات ووجوه الاستحسان
والفرق بين الاشباه والنظائر بمقدمات دقيقة
المأخذ وسائر ما يتطاول به اصحاب الرأى
على اهل الحديث

ساتھ مخصوص ہے، سخت ریاضت، اور فلسفہ، کلام او
اصول فقہ وغیرہ کی ممارست سے حاصل ہوتا ہے لیکن
انبیا کا تخاطب صرف اس علم وادراک کے مطابق ہوتا ہے
جو فطرۃً ان مین ودیعت کیا گیا ہے، اور وہ اس علم وا
توجہ نہین کرتے جو ان اسباب سے حاصل ہوتا ہے جو بہت
وقوع پذیر ہوتے ہین، یہی وجہ ہے کہ انبیا نے لوگون کو
تکلیف نہین دی کہ وہ اپنے خدا کو تجلیات اشاہدات
دلائل اور قیاس سے پہچانین، اور نہ انکے لئے یہ ضروری
قرار دیا کہ اسکو منزہ عن الجہات تسلیم کرین، کیونکہ جن لوگون
اس قسم کی ریاضتین نہین کی ہین اور مدت تک فلاسفہ
کی صحبت مین نہین رہے ہین، انکے لئے یہ تکلیف
مالا یطاق ہے، اور اسی لئے انبیاء نے لوگون کو دقیق
مقدمات کے ذریعہ سے استنباط نتائج، اقامۃ دلیل،
وجوہ استحسان اور اشباہ و نظائر کے تفریق غرض ان
تمام چیزون کی ہدایت نہین کی جنکی بنا پر اصحاب رائے
اہل حدیث پر زبان درازی کرتے ہین،

پہلا اصول اگرچہ حرف بحرف صحیح ہے، لیکن اس زمانہ مین وہ بالکل بے اثر ہے، اس وقت دنیا کی منزل مقصود صرف علمی ترقی ہے، اور جدید تمدن کے آب ورنگ نے آنکھون کو اسقدر خیرہ کردیا ہے کہ اب اسکی چمک مین دل کی روشنی بالکل ماند پڑ گئی ہے، سینکڑون لوگ ہین جنکی اخلاقی حالت

سخت ابتر ہے، لیکن، تمام دنیا اُنکے سامنے صرف اس بنا پر سر جھکاتی ہے کہ انکی ذات سے علمی ترقی کے تمام ذرائع وابستہ ہین، یورپ کی فضا کو برف اور کہر کی طرح سیاہ کاریون کے بادل نے گھیر لیا ہے لیکن تمام دنیا نے اسکو صرف اسلئے اپنا قبلہ مقصود بنا لیا ہے، کہ وہ علم وفن کی سب سے بڑی نمائشگاہ ہے، آج نور ایمان کی شعاعون کے ذریعہ سے کچھ نظر نہین آتا، لیکن برقی روشنی "حقائق ومعارف" کے تمام رازہاے سربستہ کو بے نقاب کردیتی ہے، اسلئے اب مذہب کا یہ معجزہ بالکل بیکار ہے کہ وہ نظام اخلاق کی اصلاح کرتا ہے، اب اسکے کمال کا معیار صرف یہ ہوسکتا ہے کہ علوم وفنون کو ترقی دیتا ہے،

دوسرا اصول اگرچہ عوام کے لئے مفید ہے، لیکن اب جبکہ تمام دنیا تعلیم یافتہ ہورہی ہے، اسکو کیونکر تسلیم کیا جاسکتا ہے، اور اگر تسلیم بھی کرلیا جاے تو دنیا کو اس ارشاد وہدایت کی کیا ضرورت ہے جو انکے علم وادراک مین ذرہ برابر بھی اضافہ نہین کرسکتی، بلکہ خود انھی کے علم وادراک کی تقلید کرتی ہے، لی بان نے اس کتاب مین اگرچہ کسی موقع پر مذہب کی حمایت نہین کی ہے، تاہم اُس نے تمدنی ترقی کے علل واسباب پر جو کچھ لکھا ہے اس سے انبیاء کی تعلیم وتلقین کے ان اصول کی تائید کیجاسکتی ہے، آج تمام دنیا تمدنی ترقی کو صرف عقلی ترقی اور دماغی نشو ونما سے وابستہ سمجھتی ہے، لیکن لیبان کے نزدیک اسکا ذریعہ صرف وہی ہے، جسکی تہذیب واصلاح انبیاء کی زندگی کا مقصد تھا، چنانچہ لکھتا ہے،

"قومون کی زندگی کے نشو ونما مین اخلاق نہایت موثر چیز ہے، لیکن اسپر عقل کا بہت کم اثر پڑتا ہے، چنانچہ رومن قوم اپنے انحطاط وتنزل کے زمانہ مین عقلی حیثیت سے اپنے آبا واجداد سے زیادہ ترقی یافتہ تھی"۔

اہل عرب کا بھی یہی حال تھا، جب وہ ریگستان عرب سے تمام دنیا کے مسخر کرنے کے لئے

اُٹھے تھے تو علم و فن اور فلسفہ و سائنس سے بالکل نا آشنا تھے، لیکن اُنکی سلطنت، انکے تمدن اور جاہ و جلال کا زوال بغداد مین ہوا، جو اسوقت تمام دنیا کا بیت العلوم تہا، جن لوگون کی نگاہین تاریخ اوراق کی سطح سے آگے نہین بڑہتین، انکو قومی نظام ترکیب کی نشو و نما، اور تمدنی عناصر کی بالیدگی صرف اس زمانہ مین نظر آتی ہے جسمین تمام قواے عقلیہ دفعتہً تر و تازہ ہوجاتے ہین، لیکن لی بان کے نزدیک یہ دور قومون کی کہولیت بلکہ شیخوخیت کا ہوتا ہے، چنانچہ ایک موقع پر لکہتا ہے،

”جن علما نے قانون وراثت کا کامل مطالعہ کیا ہے، انھون نے جو مشاہدات قدیمہ حاصل کئے ہین، اُنسے ثابت ہوتا ہے کہ عقلی خاندانون کی نسل اکثر بگڑکر فوراً یا ایک مدت مین فنا ہوجاتی ہے، لیکن زیادہ تر انکا زوال علانیہ طور پر ہوتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو عقلی ترقی اسوقت حاصل ہوتی ہے جب اسکی نسل خراب ہوجاتی ہے، اور اگر پست درجہ کے لوگ طبقۂ اعلیٰ کی پرورش نہ کرتے تو انکا سرے سے خاتمہ ہوجاتا، اگر ہر طبقہ کے ماہرین فن کو جمع کرکے دنیا کے کسی گوشہ مین علحدہ آباد کیا جائے اور ان مین باہم توالد و تناسل کا سلسلہ قائم ہو، تو اُن سے ایک بدترین نسل پیدا ہوگی، جو چند دنون کے بعد فنا ہوجائیگی، اس قسم کے ممتاز لوگ اس غیر معمولی جسامت کے درخت کے مشابہ ہین، جنکو باغبان مصنوعی تدابیر سے نہایت تناور بنا دیتا ہے، لیکن اگر اُسکو اپنی اصلی حالت پر چھوڑ دیا جاے تو یا وہ خشک ہوجائیگا یا اپنی حالت متوسطہ کی طرف رجوع کرجائیگا۔“

مذہب ہمیشہ ایک زندہ اور نوخیز قوم کو پیدا کرتا ہے، اس بنا پر اگر عقلیات کو اسکی تعلیمات و تلقینات کا جزو قرار دیا جاے تو دفعتہً اسکا نظام اور اسکا مشن بالکل بدل جائیگا، اس سے کسیکو انکار نہین ہے کہ مذہب اور فلسفہ دونون تمدنی کل کے پرزے ہین، لیکن دونون کی حرکت مختلف جہت مین ہوتی ہے، اور اس حرکت کے دوران مین دونون کسی نقطے پر نہین ملتے، فلسفہ دماغ کی

تربیت کرتا ہے، ایک عقل کو اور دوسرا جذبات کو اُبھارتا ہے، اسلئے اگر دونون مین کوئی نقطۂ اتصال پیدا کیا جائیگا تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اُنکے تصادم سے خود اس کل کی حرکت رک جائیگی اور دنیا کا تمام نظام درہم برہم ہوجائیگا، چنانچہ لی بان کہتا ہے،

”تمدنی حیثیت سے اگرچہ مستقبل پر موجدین و مخترعین کا عظیم الشان اثر پڑتا ہے لیکن عملاً قوم کی سیاسی تاریخ پر انکا کوئی اثر نہین ہوتا، جسکی وجہ یہ ہے کہ پل کے موجد سے لیکر تار کے موجد تک بلکہ دنیا کے تمام مخترعین مین وہ اخلاقی اوصاف نہین پاے جاتے جنکی ذریعہ سے کسی مذہب کی بنیاد ڈالی جاتی ہے، یا کوئی ملک فتح کیا جاتا ہے،

موجدین و مخترعین صرف زمانہ کی روش کے مطابق تمدنی انقلاب پیدا کرسکتے ہین، لیکن کثر، محدود الخیال اور مضبوط کیرکٹر کے اکابران قوم جدید مذاہب کو قائم کرسکتے ہین، سلطنتون کی بنیاد ڈال سکتے ہین، اور نظام عالم کو اُلٹ پلٹ دیسکتے ہین، ایک پطرس راہب کی آواز نے یورپ کے ہزارون آدمیون کو مشرق کی طرف جہونک دیا، ایک محمد صلعم کی آواز نے دنیاے قدیم یعنی یونان اور روم کو تہ و بالا کردیا، اور لوتھر جیسے گمنام شخص نے تمام یورپ کو اُٹھاکر آگ اور خون کی سمندر مین جہونک دیا، لیکن دنیا نے گلیلو اور نیوٹن کی آواز کی طرف کان بھی نہین لگایا، غرض موجدین و مخترعین تمدن کی رفتار کو تیز و سریع کردیتے ہین، لیکن پیشوایان مذہبی ایک مستقل تاریخی دور کو پیدا کرتے ہین،“

لی بان نے اخیر فقرون مین مذہب اور فلسفہ کے حدود الگ الگ کردیئے ہین، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ تمدنی ترقی مین فلسفہ خود مذہب کا محتاج ہوتا ہے، مذہب پہلے ایک مستقل دور اور ایک مستقل تمدن کو پیدا کردیتا ہے، اسکے بعد فلسفہ صرف مشاطہ گری کی خدمت انجام دینے کے لئے آتا ہے، اور سادہ مذہبی تمدن کے چہرے کو رنگین کردیتا ہے، تمام مذاہب کی تاریخ سے بھی اسکی

تائید ہوسکتی ہے، اس بنا پر مذہب کا صرف یہ احسان کافی ہے کہ وہ عقل کی راہ مین رکاوٹ نہ پیدا کرے، لیکن عقل کو مذہب کا لازمی جزو قرار دینا کل کے دو مختلف الحرکت پرزون کی باہمی ترکیب سے کل کو مجموعۂ اضداد بنانا اور اسکو بیکار کردینا ہے،

اس لئے ہمارا خیال ہے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ مین فلسفہ اخلاق کے سوا فلسفہ کی دوسری شاخون کا ایک حرف بھی نہین مل سکتا، اور جو لوگ قرآن مجید اور احادیث مین فلسفیانہ دقائق و نکات کی جستجو کرتے ہین وہ ناکامی کی دیوار سے سر ٹکراتے ہین، شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے مین اس قسم کے لوگون کا مذاق خراب ہوگیا ہے، ممکن ہے کہ قدماء کے متعلق یہ خیال صحیح ہو لیکن اس زمانہ مین جو لوگ اس "کوہ کندن و کاہ برآوردن" مین اپنا وقت ضائع کرتے ہین، انھون نے اسکو مذہب سے سبکدوشی حاصل کرنیکا ایک ذریعہ بنالیا ہے، قدیم تقلید اور اخلاقی جرأت کا فقدان انکو مذہبی علٰحدگی کے اعلان کی اجازت نہین دیتا، اسلئے فلسفیانہ رموز و نکات کے پردے مین مذہبی حقائق و معارف سے انکار کرتے ہین، خالص مذہبی لوگون مین بعض نے قرآن مجید کو فلسفہ جدیدہ کے قالب مین ڈھالنے کی کوشش کی ہے، لیکن یہ کوئی مذہبی خدمت نہین ہے، بادی النظر مین یہ ایک قسم کی بوالہوسی ہے، لیکن بہت غور و فکر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس طریقہ سے جدید گروہ کو مرعوب کرنا اور اس مین شہرت حاصل کرنا انکا اصلی مقصد ہے،

عبدالسلام ندوی

عرب ایک مستشرق کی نگاہ مین

اقتباس از تاریخ عرب موسیو سیڈیو

خلفاے راشدین، امویہ دمشق و قرطبہ، عباسیہ بغداد، فاطمیہ مصر کی تاریخ اور ان اسلامی مشرقی ممالک کی درہمی و برہمی کے حالات مین جن پر پہلے ترکون نے پھر مغلون نے غارت گری کی، یورپین لوگون نے عمدہ کتابین تالیف کی ہین، اور اسکے اصول کے متعلق انھون نے جو کچھ چھوڑ دیا تھا ہم نے اسکا اضافہ کرلیا ہے، یعنی تمدن عربی کا بیان جسکے اصول تمام دنیاے قدیمہ کے اطراف و جوانب مین شدت کے ساتھ راسخ ہوگئے تھے، اور جب ہم اپنی یورپین معلومات کے ماخذ و مبادی سے بحث کرتے ہین تو اتبک ہمکو اسکے آثار نظر آتے ہین، کیونکہ اہل عرب نے آٹھوین صدی عیسوی کے بعد اپنی جنگی عصبیت کو کھو دیا تھا اور علوم و فنون کے دلدادہ ہوگئے تھے، یہانتک کہ چند ہی دنون مین قرطبہ، طلیطلہ، قاہرہ، فاس، مراکش، رقہ، اصفہان، اور سمرقند علوم و فنون کی تدوین مین بغداد کا تفاخرانہ مقابلہ کرنے لگے، اور عربی زبان مین یونانی کتابون کے جو تراجم ہوئے تھے وہ مدارس اسلامیہ مین پڑھائے جانے لگے، اور انسانی عقل نے علوم و فنون کے متعلق جو نئی باتین ایجاد کی تھین، اہل عرب اُنمین مشغول ہوگئے، اور اکثر شہرون بالخصوص یورپ کے عیسائی شہرون مین بہت سی ایسی نئی باتین مشہور ہوئین، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ علوم مین ہمارے امام تھے، انکی بلند رتبگی کے متعلق جس سے یورپین لوگ ایک مدت سے ناواقف ہین، ہمارے پاس بہت سے سچے شواہد ہین اول یہ کہ اُن سے قرون متوسطہ کی تاریخ، سفرنامے، بہت سے اماکن اور اشخاص کے نامون کے

قوانین اور انسائیکلو پیڈیا جو بہت سے عمدہ علوم پر شامل ہین، منقول ہین، دوسرے وہ عمدہ صناعیان عمدہ عمارتین، اور علوم وفنون کے متعلق اہم اکتشافات، اور علم طب، تاریخ طبعی، کیمیا صحیحہ، فلاحت اور وہ علوم صحیحہ ہین جنکی انھون نے نہایت مستعدی کے ساتھ نوین صدی عیسوی سے پندرہوین صدی تک ممارست کی،

مؤلف شلیجل، سنہ ۱۸۳۲ء موافق سنہ ۱۲۴۸ھ کا خیال ہے کہ ہندو اور چینی، عرب سے زیادہ عالم ہین، اور اس نے بیان کیا ہے کہ ان دونون قومون کے علوم کے خزانون سے وہ عنقریب واقف ہوگا، لیکن اُسکے دعوی کے ۷۰ برس بعد بھی فلکی، ریاضی، اور جغرافیانہ فوائد صرف قدیم عربی کتابون کے ذریعہ سے معلوم ہوئے، بے شبہ ان یورپینون نے جو ہندی مسائل کی تحقیقات کرتے ہین، بہت سی کتابین لکھی ہین، لیکن اس سے اُنکے مقاصد مین کسی قسم کا اضافہ نہین ہوا، جیسا کہ وہ یورپین جو مملکت چین کی تاریخ سے فوائد اخذ کرتے ہین، اس سے زیادہ کامیاب نہین ہوئے، اُنھون نے یہ مشہور کردیا کہ ترکون کی طرح چینی تمام دنیا مین سب سے زیادہ جاہل ہین، جیسا کہ مؤرخ ابو الفرج نے لکھا ہے،

لیکن اسکندریہ یونان اور اخیر زمانہ کے درمیانی وقفہ مین بغداد کا اسکول جو تمدنی معلومات کا جامع تہا، اہل یورپ کو خواب جہالت سے بیدار کرنے اور تمام ایشیائی ممالک مین علم کی روشنی پھیلانے مین معین ہوا، کیونکہ ہندوستان مین علامۂ بیرونی کے ذریعہ سے جو سلطان محمود غزنوی کا زیر بار احسان تہا، علم عرب (فلک) اسوقت پہیلا جب سنہ ۱۰۱۶ء موافق سنہ ۴۰۷ھ مین اُس نے بیان کا سفر کیا، اسی طرح علامۂ عمر خیام نے سنہ ۱۰۷۴ء (موافق سنہ ۴۶۷ھ) سلجوقیون مین، اور علامہ نصیر الدین طوسی بانی رصد خانہ مراغہ نے سنہ ۱۲۶۰ء (موافق سنہ ۶۵۹ھ) مغلون مین اس علم کی اشاعت کی اور وہ سنہ ۱۳۳۶ء (موافق سنہ ۷۳۸ھ) مین عثمانیون مین پہیلا، اور چینیون مین سلطان کو بلاے خان

(جو سلاطین یوانتیر کا بہت بڑا خاندان ہے) کے عہد مین علامۂ کوشیو کنغ، شاگرد استاذ جمال الدین نے سنہ ۱۲۸۰ء (موافق سنہ ۶۷۹ھ) مین اسکی اشاعت کی، اور الوغ بیگ نے سنہ ۱۴۳۷ء موافق سنہ ۸۴۱ھ مین سمرقند مین علم فلک کی تحقیقات کے لئے ایک رصد خانہ قائم کیا،

شرقیون کا یہ علمی شغلہ، الوغ بیگ کے زمانہ کے بعد ختم ہوگیا، اسکے بعد اہل یورپ اُن علوم کے رموز واسرار سے واقف ہوئے، اور اس شغلہ مین مصروف ہونے لگے، یہانتک کہ یورپین ممالک مین تمدن نے عربی لغت اور اسکے ان ادبی فنون کی جو روز بروز یورپینون مین پہیل رہے تھے تجدید کی، اور ہم ابتک قدیم عربی کتابون کے متعلق اہم امور کی تحقیقات کر رہے ہین، اگرچہ غلط طور پر انکا انتساب بعض متاخرین یورپینون کی طرف کرلیا گیا ہے — اسمین کوئی شبہہ نہین کہ ہماری قوم فرنچ نے مغربی جزائر کے جو صوبے فتح کئے ہین اور افریقہ (ممالک مغرب) کے مسلمانون سے اسکے جو تعلقات قائم ہوگئے ہین، اس نے لغات اور آثار شرقیہ کے دلدادہ اور سرگرم یورپینون کو معلومات عربیہ کے متعلق ان کتابون کی تحقیقات کا اور بھی موقع دیا ہے، جن سے گذشتہ یورپین لوگ قیمتی معلومات کے جواہر نہ نکال سکے، عربی قوم کی اس تاریخ کا جسکے واقعات عجیب ترین مظاہر مین نمایان ہوئے ہین، اور جسکے حوادث بخلاف اور تاریخون کے ہر پڑھنے اور غور کرنے والے کو مبہوت کررہے ہین، ہم کس مشغولیت کے ساتھ خلاصہ کررہے ہین، ہم زمانہ کے گذرنے کے ساتھ ساتھ فرزندان یورپ کی توجہ ان عظیم الشان آثار کی طرف مبذول کراتے ہین، جنکو اُس قوم نے چھوڑا ہے،

آثارِ علمیہ و ادبیہ

نامۂ پارسی

مولانا محمد فاروق صاحب چریاکوٹی

بنام مجلس ندوۃ العلماء

ذیل کا فارسی خط جو ہمارے استاذ اور استاذ الاساتذ مولانا محمد فاروق صاحب چریاکوٹی کا فیض خامہ ہے، ہم اسکو معارف مین تبرکاً شایع کرتے ہین، یہ خط ۱۳۱۱ھ کا لکھا ہوا ہے جسکو اب ۲۴ برس ہوئے ہین، گویا یہ تحریر ہمارے علمائے افاضل کے ربع صدی سے پہلے کے خیالات کی ترجمان ہین

خط مذکور ندوۃ العلماء کے قیام کے مشورہ کا جواب ہے، اسمین سرسید مرحوم اور اُن کے مدرسۃ العلوم پر بھی ریمارک ہین، اور لکھا ہے کہ ہمین بتایا گیا اور دکھایا گیا، یہ وہی تخیل ہے جو آج مسلم یونیورسٹی کی نسبت مخالف و موافق فریق مین قائم ہے،

علوم جدیدہ اور قدیمہ کے تصادم کی نسبت مولانا نے جو کچھ ظاہر فرمایا ہے، اگر وہ آج ہوتے تو ہم نہین جانتے کہ وہ کیا فیصلہ کرتے، اسلئے جو انتظار کی گھڑی ربع صدی پہلے تھی وہ اب بھی ہے تاہم یہ ضرور ہے کہ علوم جدیدہ کی جو ڈراونی شکل سرسید اور اُنکے معاصرین نے عوام کو دکھائی تھی بحمد اللہ اب اسکی مرعوبیت بہت کم ہو گئی ہے، اور ہر شخص جدید خیالات سے بہت کچھ واقف ہو گیا ہے جس سے وہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ اُنسے مذہب کو کسی حد تک ضرر ہے بھی یا نہین ؟

مرکزِ افاضل، و مرجعِ کرام اماثل، لازال مولا لکل وافد و سائل،

بعد سلام مسنون، واضح رائے رزین باد کہ نامۂ نیکو ئی عنوان برکت ختامہ از دیوان ندوہ رسید

من و برادر گرامی جناب مولوی عنایت رسول صاحب از دیر غریق وار منتظرِ دستگیریِ قوم بودیم، و حرکتِ سروق (درخش) ہمت مردانہ قوم را انتظاری نمودیم، تا یکبارہ دستہا کشانید و کشتی طوفانی علوم اسلامیہ را از گرداب بلا بیرون نمایند،

از عمل دو سالۂ ارکان ندوہ چنان معلوم شد کہ در ضمیر بزرگان و سترگان (اکابر) امت ضرورت علوم حقیقیہ خدا شناسی جاگزین شد، و دردمندان اسلام را دستگیری کشتی طوفانی ما دلپسند و خاطر نشین آمد تا باز و این گرانمایہ قوم نفوس زکیہ باز بسوے مرکز خود گرایند و مانند اسلاف بقوادم (شہپر) انظار سائر زمینہا سپرند و آسمانہا پیمانند،

چہ عجب کہ درین ہنگام علوم و فنون حکمیہ کہ تائید علوم روحانیہ اسلامیہ بودند، و برخے ازان از نا پرسانی مردم بہ اندراس آمدہ از سر نو جدید سازند، و شمع معارف الٰہیہ را از صرصر جہالات اہل افرنج و ہوا ئیانش (معدومی) بہ فانوس سازی پردازند، ہر چند ما شکستہ ایم مگر بیارہ گری دانش پسندان حق جو نشستہ ایم پس ہر امر مفید قوم کہ تعلق بما دارد، و در حیز اختیار ماست، از تجدید علوم مندرسہ یا تسہیل علوم باقیہ و ترتیب فنون مستعملہ، یا استعمال صنایع کسبیہ کہ ہمانا بضاعت مزجات (سرمایۂ قلیل) اہل یورپ است، در تعمیل آن دریغ نخواہد رفت، لیکن از بعض فقرات مسودۂ دار العلوم پیش کردۂ بعض ارکان ندوہ چنان معلوم شد کہ خصوم (دشمنان) تعلیم اسلام، بہ پردۂ اصلاحِ تعلیم کینہا کشادہ اند و کمانہا کشیدہ، پس سطرے چند بنظر اظہار حق بپیش مدبران تعلیم می نہم، تا در حقیقت حال بنگرند، و بر مآل کار چشم حق بین کشانید و باللہ التوفیق

مخفی مباد کہ مراد از علوم اسلامیہ کہ در تائید آن ترقی اسلامی است، معارف الٰہیہ اند کاشف احوال مبدا و معاد کہ تصدیقش از تعلیم شارع کریم مستفاد باشد، و نیز انچہ بہ استدلال صحیح سوے امور مذکورہ راہ نماید، یا زنگ تشبہات متعلقہ مسائل مذکورہ از نفوس ناقصہ بزداید، یا مقاصد شارع را بر الباب اہل نظر منجلی نماید، چون علوم فقہ و تفسیر، و حدیث، و فنون کلامیہ، و بعض فنون حکمیہ، و علوم ادبیہ

اما فنون کسبیہ چون حیاکتہ وخیاطہ صنایع ماخوذہ اہل فرنگ مانند فنون خدمات وچاکری اہل دول
(جولاہگری) (درزی گری)
واعمال متعلقہ آنہا از تکمیلات نفوس بیرون اند، ترقی نفوس انسانی در فضائل روحانی وابستہ بہمان
علوم ومعارف باید پنداشت، واین دیگرہا را بقدر ضرورت، در سلک مد معاش باید داشت وبالجملہ
آن علوم جواہر نفیسہ اند، واین فنون از ذخائر خسیسہ،

وآنچہ بعض مردم بر مسموعات اہل یورپ فریفتہ وانمایند، کہ بالفعل علماے فرنگ بہ تجارب کثیرہ
(ظاہر)
در عناصر ودیگر اجسام مرکبہ، وبسیطہ امورے چند برآوردہ اند کہ مسائل آن مخالف اصول اسلام اند،
پس بجاے کلام مروجہ سلف این علوم را باید نشانید، پس باید دانست کہ علوم کلامیہ مدونہ قدما دفع جملہ
اعتراضات، واوہام کاسدہ را متکفل اند، این اوہام از قبیل اعراض باشد، یا جواہر از اجسام اثیریہ باشند
یا عناصر از مجردات باشد یا مادی، وآنانکہ جہالات بیسر و پاے یورپ را بہ نرخ علوم خریدہ اند واکنون
ہم خرند از تحقیقات علمیہ پاستانیان غافل اند، از آنانکہ این علوم جدیدہ را مر علوم قدیمہ را نعم البدل
(اسلاف)
انگاشتہ اند،

التماس است کہ مسئلہ از مسائل این فن کہ مر مسئلہ را از مسائل شرعیہ معارض قوی پندارند،
در مجمع انظار عقلا پیش آرند، وجواب آن از ما محض بہ نیروے قوانین عقلیہ از ہمان علوم قدیمہ بگیرند،
آنگاہ نصح ما بپذیرند، وآنہا را با طفال دبستان ما بسپرند، وبہ نگاہ مناسب در مقاصد آن بنگرند واین
براے آن آوردم کہ در مجالس تاسیس علوم شرعیہ خصوصا علوم خریدہ علوم قدیمہ را بیکار قرار دادہ در
سائی طالبان کمال فتور می اندازند، پیشتر ازین شخصے از مہتران قوم در جامہ بہی خواہان اسلام آمدہ
(سرسید)
بعبارت دلآویز والفاظ پر درد گریہ انگیز چنان وانمود کہ پیشتر ازین در دہلی ولکھنؤ مدرسہا بودند
مرکز علماے نامدار وفقہا محطر رحال افاضل روزگار کہ تا سالہاے دراز از ان پیاپے ارباب کمال
(مقامات)
پدید آمدند، چون شاہ عبد العزیز ومولوی محمد اسمعیل وہمچنین مولانا عبد العلی

وملا کمال الدین ومولوی ظہور اللہ ہر یکے از حکماے شریعت پناہ بودند، وفضلاے حکمت دستگاہ
ذات بابرکات شان ہم دین محمدی را بازو بود، ہم شریعت قویمہ حقہ را قوت ونیرو، اکنون آن ہمہ مقامات
ومعابد خراب وویران است، وعلوم شان در دفاتر چون گنج شائگان بزمین پنہان، پس مدرسہ را
بنا باید نہاد کہ ملجاے علوم باشد، واہل اسلام را وسیلہ احیاے رسوم، چنانچہ مشتاقان ترویج علوم اسلام
وبہی خواہان کافہ انام، بر امید وجود علماے دین پناہ زرہا بیدریغ ریختند تا کہ مدرسہ پدید آمد و
مردم اطفال را از مدارس عربیہ بریدہ بان مدرسہ آویختند، دیدہاے مردم بسوے درہاے مدرسہ باز
وگوشہاے خلق از ہر گوشہ برآواز، تا بر امید خویش حکماے دانش پسند را بہ بینند، کہ اسلاف کرام را
نعم البدل باشند، بعد زمانہ دراز چون متعلمان آن مدرسہ باسند تکمیل بیرون خرامیدند وبجاہاے
محتلفہ رسیدند، بجاے بحر العلوم وشاہ عبد العزیز نگاہ برکسانے افتاد کہ نہ از علم جواہر حرفے
آموختند ونہ از فنون اعراض جوے اندوختند، یکے دوزخ وبہشت الٰہی را پیکر خیال گفتے ودیگرے
معجزات انبیا را محال دانستے، یکے مکاسب دنیا را نتیجہ زندگانی گفتے، ودیگرے قربات عبادات الٰہی را
فانی وذخیرہ مال را دائمی وجاودانی دانستے، مجموعہ این خیالات واعمال را اسلام نام نہادند ودانستند کہ
ہمین معنی در اوراق پارینہ ہم ازین لفظ مقصود است،

وعقلا دانند کہ در معنیٔ اسلام قدیم، واین خیالات وخیم، مناسبت نقل ہم مفقود است، چنانچہ
(بد)
در اسلام قدیم بعد ایمان باللہ، ایمان بہ ملائکہ است، وملائکہ در اسلام قدیم اجسام اند از قبیل جواہر
ودرین خیالات قواے انسانی اند از قبیل اعراض، این بشابہ شخصے است کہ مسلمانان شہرے را
براے حج بیت اللہ برانگیزد، وبسوے مکہ معظمہ کہ مقام کعبہ الٰہی است رہنما گردد، وچنان وانماید کہ
بوقت آن بدرقہ کم مایہ زادے بدانجا تواند رسید، ومردمان بر سخنش فریفتہ با او عقد مرافقت بندند،
و او بشہرے دیگر برد کہ نامش مکہ نہد، وخانہ را در وکعبہ گوید، پس نسبت اسلام باین عقاید نسبت این

ر ج است بزیارت خانہ، پس اگر این علوم جدیدہ مویدٔ اسلام جدید اند، پس بتکلمان مارا در آن کلامے نیست، و آنچہ گفتہ کہ حملۂ فلسفہ جدیدہ دلہاے عامیان بتغیر غیر متوقع مبدل کردہ وان را حوالہ بمسائل اصول کیمیا کردہ، پس میگوئیم کہ این فن نادر نیست بلکہ کتب عربیہ این فن در کوچہ و بازار بسیار اند، محرک را باید کہ مسئلہ را از مسائل آن خلاف شریعت باشد، باثبات آرد تا مقالہ اش قابل اصغا بود،

(شنوائی)

وکسانیکہ از تعلیم مدارس انگریزی از راہ اسلام برگشتہ اند، بجہت آن است کہ عدم علم را علم عدم می انگارند، و این بجہت خامی قواعد منطقیہ است، وثبوت مسائل مذہبیہ روحانیہ را از عالم اجسام، واعراض، تجربیات ناقصہ اہل فرنگ می خواہند، - و بر تحقیقات علما اعتماد نداشتہ، برائے تصدیق خود تجربۂ جدید می طلبند، و بے تحصیل مبادی وصول بمقاصد دارند و ندانند کہ کسیکہ اشکال مسطحہ مقالہ اول نداند، اشکال مجسمات مقالۂ یازدہم چگونہ تواند دریافت، و تحصیل رد اوہام

آنہا از تحریرات جناب مولوی عنایت رسول صاحب توان دریافت، وانشاءاللہ تعالے تفصیل مقاصد مذکورۂ بالا در رسالۂ دیگر مع تفصیل مقاصد فنون وعلوم اسلامیہ، واستغناے شریعت از فنون واہیہ فلسفہ جدیدہ بہ بیان خواہد رسید،

والسّلام

محمد فاروق عفی عنہ

۱۴- شوال سنہ ۲۴ھ از الہ آباد

باب التقریظ والانتقاد

عفت المسلمات

جدید تہذیب نے مشرقی عورتون کی طرزِ معاشرت مین جو نمایان تغیرات پیدا کئے ہین، اُن مین پردہ خاص طور پر مشرقی لٹریچر کا موضوع بحث بنگیا ہے، سب سے زیادہ افاضل مصر نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے، اور اُسکی مخالفت و موافقت مین جو کچھ لکھا ہے وہ ترجمہ کے ذریعہ سے ہماری اُردو زبان مین آگیا ہے، لیکن یہ مسئلہ درحقیقت ایک ہمہ گیر مسئلہ ہے، مذہب سے، اخلاق سے، معاشرت سے، تعلیم و تربیت سے، سیاست سے، قانون سے، غرض ہر چیز سے اُسکا تعلق ہے، اور اس تعلق کی بنا پر اسکی موافقت و مخالفت مین جو کچھ لکھا جا سکتا ہے، ان تمام اجزا کے پیش نظر رکھ لینے کے بعد ہی لکھا جا سکتا ہے، لیکن ہمکو جہانتک معلوم ہے پردہ پر ابتک کوئی ایسی جامع کتاب نہین لکھی گئی جسمین ان تمام اجزاء کے فوائد و نقصانات سے بحث ہو،

اسکے ساتھ یہ مسئلہ اگرچہ اپنی ہمہ گیری کی وجہ سے ایک علمی مسئلہ بنگیا ہے، لیکن درحقیقت وہ ایک اصلاحی مسئلہ ہے، اس لحاظ سے اسکے متعلق ہر مضمون، ہر آرٹکل، اور ہر کتاب اسیوقت مفید ہو سکتی ہے، جب اُسکا طرزِ تحریر مصلحانہ ہو، لیکن مصر وغیرہ مین اسپر جو کچھ لکھا گیا ہے، اُسکا طرزِ بیان زیادہ تر فلسفیانہ بلکہ مجادلانہ و مناظرانہ ہے، جسکے پڑھنے سے مصنف کے قوت استدلال، وسعتِ معلومات، اور زورِ تحریر کا تو دل پر اثر پڑ جاتا ہے، لیکن اصل اصلاح کی طرف توجہ نہین ہوتی، لیکن الحمد للہ کہ زیر تنقید کتاب نے جو ہر ہائنس نواب سلطان جہان بیگم والیہ حالیہ کشور بھوپال کے مصلحانہ

اعمال کا بہترین نتیجہ ہے، یہ کمی پوری کردی ہے، اس مین پردہ پر ہر حیثیت سے بحث کیگئی ہے،

قرآن، حدیث، آثار صحابہ، اقوال فقہا، علمائے ہندوستان کے فتاوی و مضامین سے اسکی ضرورت

اور اسکا وجوب ثابت کیا گیا ہے، پردے کی تاریخ لکھی گئی ہے، اُسکے متعلق دنیاے اسلام کا رویہ

دکھلایا گیا ہے، بے پردگی کے نقصانات بیان کئے گئے ہین، اور مخالفین پردہ کے دلائل کا معقول

جواب دیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ بے پردگی کی حالت مین جو کام بُرے طور پر انجام دیئے جاسکتے ہین

وہ پردہ کی پابندی کے ساتھ نہایت خوبی سے انجام پذیر ہوسکتے ہین، اس طریقہ سے یورپ مصر

شام اور ہندوستان مین پردہ پر جو کچھ لکھا گیا ہے اسکا بہترین حصہ اس کتاب مین آگیا ہی اور اُسکے ساتھ

طرز تحریر بالکل ناصحانہ مصلحانہ بلکہ مشفقانہ ہے، کیونکہ اُسکا مقصد تبحر علمی کا اظہار نہین ہے، بلکہ

عورتون کی اخلاقی اصلاح ہے، اور اگر نیت کا اثر عمل پر پڑتا ہے تو انشاء اللہ یہ کتاب اپنے مقاصد

مین اس مسئلہ کی اور کتابون سے بہت زیادہ کامیاب ہوگی،

ہر ہائنس کے قلم سے اس سے پہلے بھی متعدد ضخیم تصنیفات نکل چکی ہین، لیکن عفت المسلمات

باوجود صغر حجم ان مین سب سے زیادہ ممتاز ہے، اور بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس موضوع پر

اس سے بہتر تالیف ابتک شایع نہین ہوئی تھی،

کتاب کا حجم ۲۰۰ صفحہ ہے، لکھائی چھپائی نہایت عمدہ ہی، اور کاغذ اعلے قسم کا لگایا گیا ہے،

دفتر ظل السلطان شاہجہان آباد بھوپال سے ملسکتی ہے،

ادبیات

ولایت مرحوم

نالۂ کلک: سجاد انصاری بی۔اے ال ال بی

شیخ ولایت علی مرحوم بی اے ال ال بی ہمارے ان نوجوانون مین تھے جن سے قوم کو اپنی جوان بختی کی امید تھی، تعلیم جدید کی اعلے لیاقت کے ساتھ انکا مشرقی اخلاق و معاشرت عجیب دلکش تھی انکی شیرین گفتاری جسمین سادگی اور ظرافت کا نمک ملا ہوتا تھا، اُنکے ہم بزم دوستون کیلیے عجیب نعمت تھی، اُنکی پر بہار انشاپردازی جس سے کامریڈ اور ہیواپر اکے صفحات گل ریز رہتے تھے ہمیشہ کیلیے خزان رسیدہ ہوگئی، وہ ان لوگون مین تھے جو حوادث زمانہ اور سختی ہاے ایام کا خندہ جبینی اور ہنسی خوشی کے ساتھ مقابلہ کرتے ہین، اُنکی آزادہ روی اور حریت فکری خطرہ کی ہر قید و بند سے بے پروا تھی وہ ماہوار وسیع آمدنی کے مالک تھے لیکن انکے کام دوہن اور جان و تن کے لئے وہ بیگانہ چیز تھی، وہ حقیقت مین مجالس قومی فقراے وطن اور احباب داعزہ کا حق تھی، غفر لہ اللہ ورحمہ

جناب سجاد انصاری کے ہم ممنون ہین کہ انکی نظم نے ہمارے ماتم کا فرض ادا کردیا،

اے پیکرِ انبساطِ ہستی! — توحسنِ تبسمِ جہان تہا

اک صبح امید کی جھلک تھی — اک حرفِ پیامِ آسمان تہا

سیمابِ نشاط تہا سراپا — دیوانۂ عیش کامران تہا

تہین دل مین بہار کی فضائین — گو سامنے منظرِ خزان تہا

ہر بات مین بذلہ سنجیون سے — اک سحرِ تجلیِ بیان تہا

تیرے اندازِ گفتگو مین — اک محشرِ حسنِ داستان تہا

تحریر کی دلفریبیون مین — افسونِ بہارِ بوستان تھا

اللہ رے مذاقِ نکتہ سنجی — گویا شاعر کا رازدان تھا

اک انجمنِ صفات تھا دل — حسنِ فطرت کی چیستان تھا

حرّیتِ صدقِ آشنا کا — سیمائے غیور پر نشان تھا

کیونکر کرتا تو جبہہ سائی — بیگانۂ رسمِ آستان تھا

خودداری بے نیاز مین بھی — اک عالمِ بیخودی نہان تھا

اخلاص کی خاکساریون مین — افسانۂ دورِ باستان تھا

ایثار تھا غمگساریان تھین — ہر دل کے سکوت کی زبان تھا

تیرا مرنا تھا اک قیامت — ہر ایک ستمکشِ فغان تھا

اللہ رے کس طرح گلہ ہو — یہ کیا اندازِ امتحان تھا

یہ غمکدۂ فضائے گیتی — رہنے کے لئے ترے کہان تھا

فردوسِ خلوص کا فرشتہ — اس فتنہ سرا مین میمان تھا

اب خلد مین نازشِ چمن ہے

سرمایۂ حسنِ انجمن ہے

غزل فارسی

شاید یہ بہت کم لوگون کو معلوم ہوگا کہ ہمارے فاضل دوست مولانا عبد السلام ندوی ایک قادر الکلام شاعر بھی ہین، شاعری پر انکی تنقیدین ناظرین کی نگاہون سے اکثر گذری ہونگی وہ شاعری کے رموز و نکات پر نہایت اچھی نظر رکھتے ہین، جینتر اردو اور بھی فارسی مین

کہتے ہین، لیکن شاعری کی حیثیت سے پبلک مین آنا انھون نے ہمیشہ ناپسند کیا اب ہمارے اصرار اور استاذ مرحوم کی تقلید سے مجبور ہو کر وہ اپنی ایک تازہ فارسی غزل ہدیۂ ارباب نظر کرتے ہین،

ذوقِ لب و دہانت این خستہ جان نداند — طرزِ تبسّم تو زخمِ نہان نداند

رازے کہ با رقیبان ہم در میان نہادم — واحسرتا کہ آن نیز آن دلستان نداند

یارب ازین زبانِ بے صرفہ مدعا چیست — در جنبش است ولیکن طرزِ فغان نداند

صوفی از و شنیدہ است این حرف باز گوید — دانیم رازِ ہستی پیرِ مغان نداند

این بوسۂ رخ او رازیست بس نہانی — ای شوقِ لب نداند کام و دہان نداند

آن سادہ را بہ بیند ای آہوان صحرا — صید افگند ولیکن تیر و کمان نداند

پست و بلند گیتی ہموارہ می نماید — دیوانہ ات زمین را از آسمان نداند

از جوشِ طبعِ ندوی این حرف پارسی ست

او را خبر ز قم نیست او اصفہان نداند

گلکدۂ عزیز

رہنے دو کہ ہے قابلِ عبرت مرا گھر بھی — آئیگا کبھی تو کوئی سیاح ادہر بھی

کچھ دور وہ ہمراہ جنازے کے چلین گے — کیا دیر ہے بیمارِ محبت کہین مر بھی

کونین ہے بیتاب ترے جلوۂ رُخ سے — ہے ایک تماشا جو اِدہر بھی ہے اُدہر بھی

مرکز کی کشش رُوح کو دیتی ہے یہ تعلیم — اس طرح نکل جا کہ نہ ہو تن کو خبر بھی

دینا نہ عزیز آنکھ کو گردشِ دمِ آخر — بیٹھے ہین سرہانے ترے اربابِ نظر بھی

کلام فانی

جناب شوکت علی صاحب فانیؔ بی۔اے ایل۔ایل بی بدایون

بشر میں عکس موجودات عالم ہم نے دیکھا ہے
وہ دریا ہے یہ قطرہ، لیکن اس قطرہ میں دریا ہے

مری میت پہ انکا طرز ماتم کس بلا کا ہے
دلِ بے مدعا سے پوچھتے ہین مدعا کیا ہے

مری آنکھون مین آنسو تجھ سے ہمدم کیا کہون کیا ہے
ٹھہر جائے تو انگارہ ہے، بہ جائے تو دریا ہے

کوئی دل مین نہین آتا تو پھر یہ داغ دل کیا ہے
بتا اے عشق یہ کس جور کا نقش کفِ پا ہے

اُسی کو تم مگر اے اہلِ دنیا جان کہتے ہو
وہ کانٹا جو مری رگ رگ مین رہ رہ کھٹکتا ہے

نہ بن انجان ظالم لاکھ بے تاثیر ہون نالے
خبر دل کی نہو دل کو کہین ایسا بھی ہوتا ہے

مری تربت کو اپنا گھر بنا لینے سے کیا حاصل
یہ کیا دیوانگی ہے کچھ مری وحشت کو سودا ہے

محبت ہی نہین تو پاسِ آدابِ محبت کیا
وفا کی یا جفا کی، جانے دو یہ ذکر ہی کیا ہے

نظر آتے ہین دل مین آج پھر آثار بیتابی
ہم اے امید سمجھے ہین اسمین کچھ تیرا اشارا ہے

تمہارے ظلم طعنے غیر کے لوگون کے آوازے
محبت مین دلِ مجبور کو سب کچھ گوارا ہے

شبِ فرقت مین ہم ہر سانس سے یہ پوچھ لیتے ہین
جگر تو خیریت سے ہے مزاجِ دل تو اچھا ہے

غبارِ رشک نخارستانِ حسرت یاس کے منظر
ہمارے دل کی دنیا بھی کوئی دنیا مین دنیا ہے

مری محرومیون کا فیض جاری ہے رگ و پے مین
بدن مین جو لہو کی بوند ہے خون تمنا ہے

یہ کیا کہتے ہو فانیؔ سو کہ تیری موت آئی ہے
تم اس ناکام کے دل سے تو پوچھو زندگی کیا ہے

مطبوعاتِ جدیدۃ

بیگماتِ بھوپال، ریاست بھوپال کا شاید اس وصف مین دنیا کے تمام حکمران خاندانون مین کوئی حریف نہ نکلیگا کہ آغاز قیام ریاست سے اسوقت تک وہ عموماً خواتین کے حسن تدبیر اور طرزِ فرمانروائی کے زیر سایہ رہی، اور اس لحاظ سے اُسکی تاریخ نہایت دلکش ہے، ہمارے دوست جناب منشی محمد امین صاحب زبیری مہتمم صیغہ تاریخ بھوپال نے بیگمات بھوپال کے نام سے وہان کی دنی حکمران بیگمون کے حالات نہایت شرح و بسط سے لکھے ہین، بھوپال کی تاریخین کثرت سے لکھی گئی ہین مگر مولف نے ابتدائی واقعات کی تلاش مین بعض اہم انکشافات تاریخی پیدا کئے ہین، اس بات کی خاص کوشش کی ہے کہ بیگمات کی گھر کی زندگی، اور غیر حاکمانہ حالات معاشرت و اخلاق کی بھی پوری تصویر اتاری جائے، دوسرے حصہ مین موجودہ فرمانروائے کشور بھوپال کے حالات بھی ایک مورخ اور چشم دید شاہد کی حیثیت سے نہایت تفصیل کے ساتھ لکھے ہین، اور اس بات کی کوشش کی ہے کہ اُنکے تاریخ نگار قلم پر رئیس و مروس کے اثر کا کوئی دباؤ محسوس نہو، زبان بھی سلیس اور روان اختیار کیگئی ہے، جا بجا بیگمات کی بنائی ہوئی عمارتون یا انکے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریرون کے عکسی فوٹو ہین، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت ۱ عہ۔

خطباتِ غربیہ، جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی۔اے ایل بی، جو ووکنگ (لندن) مین بیٹھکر اشاعت اسلام کا کام انجام دے رہے ہین، اور اس غرض سے اسلام کے فضائل اور حقیقت پر انگریزی زبان مین جو لکچر دیتے ہین، اشاعت اسلام بک ڈپو لاہور نے اُنکے اُردو ترجمہ کا سلسلہ شائع کیا ہے، موجودہ سلسلہ ۶ نمبرون کا ہے، ہر نمبر کی قیمت ۲ ہے، چھپائی اور کاغذ عمدہ، پتہ: اشاعت اسلام بک ڈپو احمدیہ بلڈنگس لاہور،

جوہرِ قدامت، ایک زمانہ تہا کہ مولانا نذیر احمد دہلوی نے اپنی تصنیفات کا یہ مقصد قرار دیا تہا کہ مسلمان عورتون مین تعلیم جدید کی اشاعت ہو، بحمد اللہ کہ جدید تعلیم نے تہوڑی بہت ان مین اشاعت پائی تو اب اسکی ضرورت ہوئی کہ جدید تعلیم جو اثر اب پیدا کر رہی ہے اور جو ناقص نمونے اپنی تربیت کے پیش کر رہی ہے انکو آشکارا کیا جائے، جانشین نذیر احمد مولوی **راشد الخیری** صاحب دہلوی نے اس فرض اہم کو اپنے ذمہ لیا ہے، جوہر قدامت اسی تخیل کا نتیجہ ہے، جسمین افسانہ کی صورت مین جدید طریقۂ تعلیم کے قبائح اور قدیم تربیت و تعلیم کے محاسن نمایان کئے گئے ہین، مولوی راشد الخیری صاحب کی زبان اور انداز تحریر سب کو معلوم ہے، لکہائی چہپائی کاغذ متوسط، قیمت عہ، پتہ: دفتر صوفی پنڈی بہاؤ الدین ضلع گجرات،

گلزار بادشاہ، الحاج خطیب **قادر** بادشاہ صاحب مرحوم متخلص بہ بادشاہ، سابق رئیس وانمباڑی ضلع شمالی ارکاٹ، برادر جناب نواب **امین جنگ** بہادر چیف سکریٹری حضور نظام کے اُردو قصاید و غزلیات و منظومات کا مجموعہ اس نام سے شایع ہوا ہے، اردو کی وسعت پر حیرت ہوتی کہ دلی اور لکہنؤ کی ادبی زبان ہندوستان کے آخری بحری گوشہ تک پہنچ گئی ہے، بادشاہ مرحوم کے منظومات مین نعتیہ، غزلیہ، قومیہ، اخلاقیہ ہر صنف کا کلام ہے، بعض بعض اشعار اور مصرع حد درجہ روان اور بے تکلف ہین، اور تمام کلام زبان کے اغلاط سے عموماً پاک ہے، لکہائی چہپائی کاغذ متوسط، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت عہ، پتہ: گوڈون اسٹریٹ نمبر ۷ مدراس،

اُردو لٹریچر کی ترقی پر ایک سرسری نظر، حکیم محمد **ناصر الدین** احمد صاحب دہلوی جنرل سکریٹری مجلس استقبالیہ اردو کانفرنس کی ایک مختصر تحریر جو گذشتہ اجلاس اردو کانفرنس مین اُنہون نے پڑہکر سُنائی، غالباً خود حکیم صاحب سے ملیگی،

مجلد سوم	ماہ جمادی الثانی سنہ ۳۶ھ مطابق مارچ سنہ ۱۹ ء	عدد نہم

مضامین